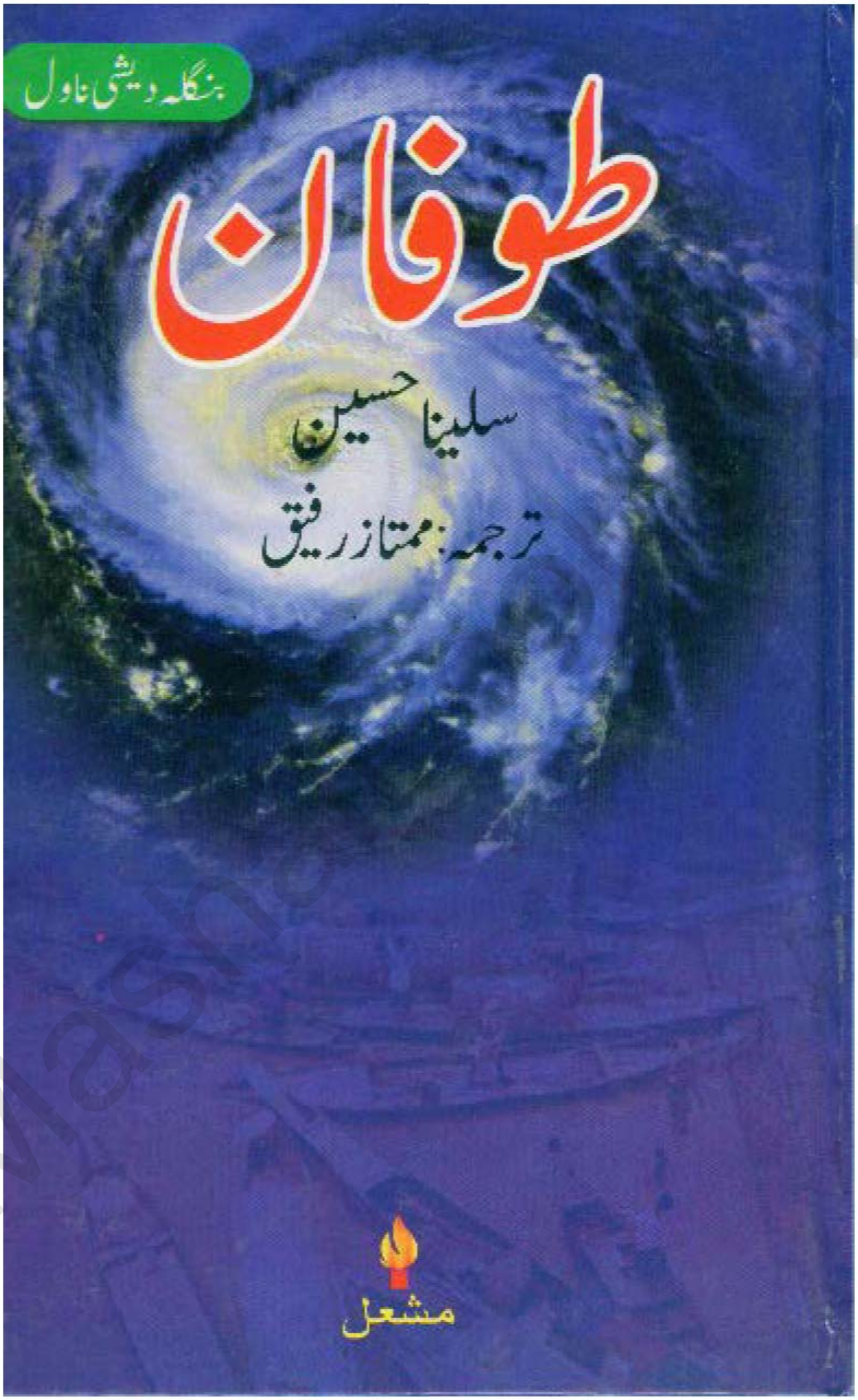
بنگلہ دیشی ناول
طوفان
سلینا حسین
ترجمہ: ممتاز رفیق
مشعل

طوفان

سلینا حسین

اردو ترجمہ: ممتاز رفیق

مشعل بکس
آر بی۔۵' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس' عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور۔54600' پاکستان

MashalBooks.org

طوفان

سلینا حسین

اردو ترجمہ: ممتاز رفیق

کاپی رائٹ اردو (c) 2003 مشعل بکس
کاپی رائٹ (c) سلینا حسین

ناشر: مشعل بکس
آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون و فیکس: 042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

پیش لفظ

سلینا حسین بنگلہ دیش کی ایک نہایت معروف اور معتبر قلم کار ہیں۔ ان کے ادبی اثاثے میں مختصر کہانیوں کے سات مجموعے اور بیس ناول شامل ہیں۔ ان کا ناول **Warp and woof** پڑھ کر ان کی تخلیقی صلاحیتوں اور تخیل کی سرسبزی سے متعارف اور تاثر ہوا۔ سلینا حسین نے یہ ناول بنگلہ زبان میں تحریر کیا تھا جسے بعد میں امان اللہ احمد نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ کتاب کے انگریزی ترجمہ میں کہانی اپنی پوری شدت اور اثر انگریزی کے ساتھ موجود ہے۔ جو پڑھنے والے کو پہلی سطر سے آخری سطر تک اپنے آپ سے پیوست رکھتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز جہاں کہانی کار کی ہنرمندی کی دلیل ہے وہیں اس سے ترجمے کی کامیابی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مجھے اس کہانی کو پڑھتے ہوئے کہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ میں ایک ترجمہ پڑھ رہا ہوں۔ اس کہانی کے موضوع، ٹریٹمنٹ اور جملوں کی ساخت نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ سلینا حسین نے اس کہانی کے اظہار کے لیے نہایت سادہ بیانیہ سے کام لیا ہے لیکن خوبی کی بات یہ ہے کہ یہی سادگی پرکاری بن گئی ہے۔ اس کہانی کے کردار ابوالہاشم اور رحانم جب زندگی کے مختلف حوالوں سے اپنے خوابوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کے قاری کے لیے خواب وخیال کی تہہ داری کا ہفت آسماں روشن ہو جاتا ہے۔

اس ناول میں ایک طوفان اور جوار بھاٹے کو موضوع بنایا گیا ہے جو بنگلہ دیش میں معمول کی بات ہے۔ اس ناول میں دکھایا گیا ہے کہ کیسے اس کے تین مرکزی کرداروں ابوالہاشم ایک بہتر سالہ بوڑھے، رحانم ایک نوجوان عورت اور ایک لڑکے سکھ دیپ کی زندگی قدرتی تباہی سے مسمار ہو جاتی ہے۔ ان کے گاؤں اور گھر بہہ جاتے ہیں اور وہ قسمت سے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں

اورمل جل کر رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ آخرکار وہ قوتیں جن پران کا کوئی اختیار نہیں انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیتی ہیں۔ وہ تکلیف دہ حالات کے جال میں جکڑ جاتے ہیں۔ یہ کردار خاص طور پرابوالہاشم اور رحانم سراب خیال میں بناہ ڈھونڈتے ہیں اور جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ جن میں وہ ابدی سچائیوں جیسے موت' زندگی' دیگر انسانوں سے متعلق اوراس کے علاوہ فطرت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں لیکن اس تمام بیانیہ میں ایک دکھ بھرا سوال کہ گھر کیا ہے اور اسے کیسے حل کیا جا سکتا ہے۔ بار بار سامنے آتا ہے۔ ناول کا اختتام الم ناک ہے کیونکہ اس کے کرداروں کو جوایک ہستے بستے گھر کی تمنا تھی وہ مٹی میں مل جاتی ہے۔

اس کہانی میں انسانوں میں گندھے خیر وشر' انسانی رشتوں کی پیچیدگی' تنہائی کے آسیب' بے گھری کے المیہ' انسانی رویہ کا انوکھا پن اور ساحلوں پر آباد مچھیروں کے دکھ کے علاوہ طاقت ور جنسی جذبے کو بڑی مشاقی اور نفاست سے پینٹ کیا گیا ہے۔

اس کہانی کو پڑھتے ہوئے میرا دل چاہا کہ اس نہایت دلچسپ اور معنی خیز کتاب کو اردو کے قارئین کے لیے ترجمہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بنگلہ کہانی انگریزی کے مقابلے میں اردو زبان میں بہتر انداز میں منتقل کی جا سکتی ہے کیونکہ بنگالی اور اردو زبانیں دو بچھڑی ہوئی بہنیں ہیں۔ ان دونوں زبانوں کا ثقافتی' تاریخی اور معاشرتی پس منظر تقریباً یکساں ہے۔ اس کے علاوہ ان زبانوں کے بولنے والوں کی نفسیات' انداز فکر' رویئے' عادات اور جذبوں کا اظہار بھی ایک دوسرے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔

اس کتاب کو ترجمہ کرتے ہوئے میں نے شعوری طور پر اصل کہانی کے قریب رہتے ہوئے اس کی روح کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا ہوں اس کا فیصلہ آپ کیجئے۔

میں آخر میں ''مشعل'' کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو اشاعت کے لیے منتخب کیا۔ یہ کتاب ہرگز کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں نہ پہنچ پاتی اگر مجھے محترم ڈاکٹر آصف فرخی کا تعاون حاصل نہ ہوتا۔ میں اس سلسلے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

ممتاز رفیق، کراچی

MashalBooks.org

1

کیوکاٹا کے مچھیرے ابوالہاشم کو جب کبھی فرصت ہوتی اس کے تصور میں یہ منظر روشن ہو جاتا کہ ایک رنگا رنگ خوب صورت مچھلی اپنے سفید پنکھ پھیلائے اس کی کھوپڑی کے اندر تیر رہی ہے۔ اس کے خاکستری رنگ کے جسم پر نقرئی چکنے پڑے ہیں اور منہ کے دونوں جانب ایک ایک سنہری بال کی مونچھ ہے۔ وہ اپنی تیراکی کے شان دار انداز میں ایک بے مثل وقار رکھتی ہے۔ پھر سمندر کی لہریں مچھلی کو اپنے اونچے کناروں پر لئے اس کے سر میں لوٹیں لگانے لگتیں اور سارے راستے رقص کرتی ہوئیں پھر ساحل کی جانب بڑھ جاتیں۔ ساحل کے قریب لالہ گوں بادل آسمان کو ڈھانپ لیتے اور سورج تمام قریب و جوار میں مدہم ملائم روشنی بچھاتا ہوا ڈوب جاتا۔ اس لمحہ میں رنگا رنگ مچھلی ہاشم کے خواب میں اپنے پنکھ پھیلاتی ہے۔ ہاشم کا سر آڑی ترچھی لکیروں سے بھر جاتا۔ اس کے خیالات میں گہرائی پیدا ہو جاتی' وہ سوچنے لگتا کہ شاید قدرت اس خلاء کو بھر دینا چاہتی ہے جو اس کی زندگی کے اکیلے پن کے باعث اس میں پیدا ہو چکا ہے۔ ایسی رنگ برنگی مچھلیاں اس کے خوابوں میں بار بار اور بہت جلدی جلدی نمودار ہوتی تھیں۔

ہاشم کی فراغت کا کوئی خاص وقت متعین نہیں تھا' وہ نہایت مصروف لمحوں میں بھی کہ جب وہ گہرے سندر میں مچھلیوں سے بھرے جال کو ٹرالر کی طرف کھینچ رہا ہوتا تھا اس دوران بھی وہ خود کو اس لمحاتی استغراق میں مبتلا کر لیا کرتا۔ اس کی فراغت اس لمحہ سے بندھی ہوئی تھی جب وہ غیر شعوری طور پر اپنے کسی عمیق احساس یا خیال کے سامنے بے دست و پا ہو جایا کرتا۔ ہاشم فرصت کا

MashalBooks.org

کوئی لمحہ اس وقت بھی نکال لیا کرتا تھا جب وہ مہاجن کو مچھلیوں کا حساب دے رہا ہوتا لیکن اصل فراغت اسے اس وقت ملتی تھی جب وہ جال کو دھوپ میں سکھانے کے لیے پھیلا کر گھر لوٹ رہا ہوتا۔ اس کے بعد اب سارا وقت اس کا اپنا ہوتا۔ اسے یہ یقین آ چلا تھا کہ اس کا اکیلا پن ہی اس کی فرصت کا اصل وقت ہوتا ہے اور مزید یہ کہ وہ کھیل جو رنگ برنگی مچھلی اس سے کھیلتی ہے۔ یہ کھیل ایک غیر مرئی دھاگے میں بندھا ہوتا تھا۔ ایک کھیل جس میں اس کی اپنی ذات کے تانے بانے آگے پیچھے حرکت کرتے رہتے تھے۔ ایک مچھیرے کی زندگی کو اس طرح کا نہیں ہونا چاہئے پھر بھی ایسا ہونا اس کا مقدر تھا۔ کیوں کہ مچھلیاں پکڑنا محض اس کا پیشہ ہی نہیں تھا اس کا ایک طرح کا جنون تھا۔ اس کا لہو سمندر کی پکار پر لبیک کہا کرتا تھا۔ اس کی زندگی زرخیز زمین سے بندھی تھی جو اس کی سال بھر کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتی۔ اس کے باوجود سچی بات یہ ہی تھی کہ وہ زمین نہیں سمندر سے جڑا ہوا تھا۔ سمندر اپنے سمبندھ کا یہ احساس اس کی ذات کے پاتال تک اترا ہوا تھا۔ وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس احساس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور یہ کہاں پہنچ کے ختم ہوتا ہے۔ وہ صرف محسوس کر سکتا تھا کہ یہ سارا کھیل اس کی اس بھید کو سمجھنے کی عدم صلاحیت میں وجود رکھتا ہے۔

ابوالہاشم سمندر کے نزدیک اپنی اس زندگی کے فرصت کے تنہا لمحوں کے لئے اپنے آباؤ اجداد کا ممنون تھا اس کی ممنونیت کا یہ تاثر بھی یقیناً قابل توجہ تھا کیوں کہ ان لمحوں میں وہ نہایت شستہ بنگالی میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ اس کے باوجود کہ یہ گفتگو اس کی روزمرہ کی زبان کا حصہ نہ ہوتی لیکن ہاں یہ اس کی داخلی بصیرت کا حصہ ضرور تھی۔ ان لمحوں میں وہ جیسے کوئی اور ہی آدمی ہوا کرتا تھا جو نہایت فصاحت اور وضاحت سے گفتگو کیا کرتا۔ میں تمہیں وہ قرض ادا نہیں کر سکتا جو میں نے تم سے لیا تھا۔ اسے لگتا جیسے یہ بھی ایک کھیل ہی ہو جو اسی غیر مرئی دھاگے سے بندھا ہو کہ جیسے اس کے اجداد بھی اسے تنے ہوئے دھاگے پر کھڑے ہوں۔

وہ شخص جس کا وہ ممنون احسان تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے اپنے سسر کی جائیداد پر دانت گاڑ رکھے تھے۔ یہ آدمی رنگا بالی سے اٹھ کر کیوکاٹا آیا تھا۔ اس نے ایک چاپلوس کا روپ دھار لیا اور اپنے سسر کے خاندان کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ وہ آدمی جائیداد کا وارث نہیں بن سکتا تھا۔ اس کا سسر اس پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے انتقال سے قبل اپنی تمام جائیداد اپنی اکلوتی بیٹی کو تحفہ میں دے دی۔ اس کے باوجود کہ اس کی بیوی اب اس تمام جائیداد کی بلاشراکت غیرے مالک

MashalBooks.org

تھی اس نے اس معاملہ پر ذرہ بھر توجہ نہ دی۔ اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ رکھا تھا کہ جب تک وہ اپنی بیوی کا مالک ہے تو اس کی تمام جائیداد بھی خود بہ خود اس کی ملکیت میں ہے۔ اس تصور نے اس میں ایک مستقل جنون بشاشت پیدا کر دیا تھا اور اس نے وہ تمام گر سیکھ لیے تھے جن کی مدد سے وہ جس طرح چاہتا اس جائیداد کو اپنے استعمال میں لا سکتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بہلا پھسلا کر اپنا ایسا فرماں بردار بنا لیا تھا کہ وہ اس کے سامنے کبھی چوں بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ابوالہاشم رات دن مسلسل اس زندگی سے برسرِ پیکار تھا جو اس کے اجداد نے اسے گزارنے کے لیے دی تھی۔ وہ کسی ایسے آدمی کی طرح جس پر کسی بدروح نے قبضہ جما لیا ہو، ہر وقت بے مقصد ادھر ادھر پھرتا رہتا۔ اگر کوئی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے سلام کرتا تو وہ اس کے سلام کا جواب نہ دیتا جیسے اس نے اس کا سلام سنا ہی نہ ہو۔ وہ اپنے گرد و پیش سے پوری طرح لاتعلق ہو چکا تھا۔ اس کے انتہائی داخلی خیالات میں اس کے انہماک نے اسے اپنے سے باہر کی دنیا کے لیے جیسے بے خبر اور بہرا بنا دیا تھا۔

تم جیسے ہی جھاڑیوں سے اٹے ہوئے رستے کو عبور کر کے وہاں کھڑے ہوتے ہو، سمندر اپنی تمام تر ہولناکی اور سرکشی کے ساتھ تمہارے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہاشم خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ یہاں کیوں آتا ہے؟ کیوں ان وحشی لہروں کی کشمکش سے وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔ ان سرکش پانیوں کے قلب میں ایک گہری آواز، ایک دبیز سایہ، ایک درشت لفظ رہتے ہیں۔ یہ سب مل کر ہاشم کی خصوصی ذاتی دنیا خلق کرتے تو اس طرح کی تھی یہ زندگی جسے وہ گزشتہ کئی برسوں سے گزار رہا تھا۔ وہ راستے پر لہراتا ڈگمگاتا ہوا درختوں کی ڈالیوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے چلتا رہتا اور پھر اونچے ٹیلے پر جا بیٹھتا۔ وہاں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ کس طرح منہ زور پانی جب لمبے فاصلے سے لپکتا ہوا ساحل پر چڑھ دوڑتا ہے تو کیسا سیاہ اور نیلا نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس وقت یہ پانی کسی پاگل پن میں مبتلا ہو۔ اسی قسم کی ایک دیوانگی ہے جو مسلسل اس کے اپنے سینے میں چلتی رہتی ہے پھر ساری دنیا چاندنی میں نہا جاتی ہے۔ گول چاند اس کے سر کے قریب آ جاتا ہے اس کے سامنے کی خالی جگہیں پھیلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ ان ہی کے تناسب سے گول چاند بڑھتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ دنیا میں کسی بھی اور جگہ اتنا بڑا چاند نہیں دیکھا جا سکتا۔ پورا چاند ابوالہاشم کی غنودہ کیفیت میں مزید شدت پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ افق کی طرف نظر ڈالتا ہے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا بس ایک خالی پن سا اس کے سامنے

MashalBooks.org

پھیل جاتا ہے۔ اگر وہ پیچھے کی جانب دیکھتا ہے تو درختوں کے سرے منجمد اور تاریکی میں لپٹے نظر آتے ہیں۔ وہ تاریکی انسان کی سرسراہٹ سے زندہ ہوتی ہے جو اس کی بڑبڑاہٹ سے مزید تیکھی ہو جاتی ہے۔ رنگ برنگی مچھلیاں واضح ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ مچھلیوں کے جھنڈ جیسے وجد آور چاند کی بھری جوانی کے نیچے نقطوں کی صورت جم جاتے ہیں۔ وہ چاند رنگ برنگی مچھلیوں سمیت ابوالہاشم کے سر میں سما جاتا ہے۔ انجانی آوازوں کی گونج' دیکھتے ہی دیکھتے اس کے شعور کی دنیا منور ہو جاتی ہے۔

ابوالہاشم ساحل پر اتر آتا ہے۔ یہاں پانی اس کے گھٹنوں تک گہرا ہے' نمک سے پاک میٹھا پانی جو میٹھے پانی کی مچھلیوں کو رہنے کی جگہ فراہم کرتا ہے۔ ساحل پر ہر طرف لاتعداد تالاب پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے عقب میں ہزاروں بھینسوں کی قطاریں ہیں جو اپنے گھروں کو لوٹ رہی ہیں۔ ان کے کھر ریت پر چھوٹے چھوٹے گڑھے بنا رہے ہیں' ابوالہاشم کسی بچے کی طرح ان گڑھوں کو اپنے پیروں سے بھرنے میں مصروف ہو گیا۔ یہ جوار بھاٹے کا خاص وقت ہے جو پورے زور و شور سے شروع ہو چکا ہے۔ ٹھیک اسی لمحے راکھ کی رنگت کی مچھلیاں ابوالہاشم کو اشارے سے سنہری افق کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ اب وہ محض ایک مچھیرا نہیں رہا بلکہ ایک پُر اسرار عمل کے بعد پریوں کی کہانیوں کا شہزادہ بن گیا ہے۔ اس نے کمر میں اڑسی ہوئی بیڑی نکال کر ہونٹوں میں دابی اور پھر ماچس کی تیلی سے اسے شعلہ دکھایا۔ اس نے بھینسوں کے بنائے ہوئے تمام گڑھوں کو ہموار کیا' اس نے قیاس کیا جیسے یہ اس کی جوانی کے دن ہوں' اس نے سوچا تو کیوں نا میں اپنی زندگی کی تمام ناہمواریوں کو پاٹ دوں۔ تو جب بھینسیں گھر پہنچیں گی تو ہم ان کا دودھ دوہیں گے اور پھر مٹی کے برتنوں میں گاڑھا کھویا جمائیں گے' بعد میں اسے بازار میں لے جائیں گے۔ یہ کھویا دریائے نیل گنج کے راستے دور دراز کی جگہوں میں رہنے والے لوگوں تک پہنچے گا۔ یہ لوگ کبھی بھی یہ نہ جان سکیں گے کہ ایک خواب زدہ ابوالہاشم نام کا آدمی گاڑھے دودھ سے تیار کیا ہوا یہ کھویا بیچتا ہے۔

اس کا بنایا ہوا یہ کھویا محض کھویا ہی نہیں ہے۔ یہ حلق سے گزر کر صرف معدہ تک ہی نہیں پہنچتا بلکہ دماغوں تک بھی راستہ بناتا ہے۔ جب کبھی کوئی یہ کھویا کھاتا ہے تو وہ ایک طلسماتی قلب ماہیت سے گزرتا ہے۔ وہ خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خواب دیکھنے والا بن جاتا ہے۔ اس کی

خواہش ہوتی کہ لوگوں کے پاس بہت سے خواب ہوں اگر لوگ خواب دیکھنا سیکھ لیں تو وہ اپنے دکھ درد بھلا سکتے ہیں۔

اپنی ان سوچوں پر ابوالہاشم اندھیرے میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔نہیں' یہ واقعتاً اندھیرا نہیں ہے' تم اسے اندھیرا کیسے کہہ سکتے ہو جب کہ دور و قریب کا سارا علاقہ ایک بہت ہی بڑے پورے چاند نے روشن کر رکھا ہے؟ نہیں' ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ ایسا کہنا درست نہ ہوگا پھر بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کیوں کہ صرف انسانی ذہن ہی میں تاریکی نہیں ہوتی۔ تاریخی انسانی سرشت کے قلب میں بھی ہوا کرتی ہے اس کے بائیں جانب سندر کا بہت بڑا حصہ تاریکی سے ڈھکا ہوا ہے۔ خوف زدہ کر دینے والا' رعوب کن' متاثر کر دینے والا۔ اسے لگتا ہے جیسے پورے چاند کی روشنی بھی وہاں جذب نہیں ہو سکتی' شاید کبھی بھی نہیں ہوتی' اس سبب سے بس جیسے اچانک ہی چاند دیکھتے ہی دیکھتے کسی عفریت جیسا قوی الجثہ بن گیا ہے۔ ابوالہاشم کے دائیں طرف جنگل ہے' وہاں درختوں کے سائے ہیں' سائے بے حد گنجان اور گہرے۔ سایوں کا یہ گنجان پن شارکوں کے پر جیسا نوکیلا ہے' ابوالہاشم وہاں نہیں جا سکتا خواہ اس کی کتنی بھی خواہش کیوں نہ ہو۔ وہ خوف سے بے حرکت بیٹھا ہے۔ اس کا دل کانپ رہا ہے' اس کے باوجود بھی کہ وہاں اس کے آگے اور پیچھے روشنی ہے۔ یہ روشنی جو ناقابلِ بیان حد تک حسین بھی ہے۔ کیوکا ٹا میں پورے چاند کی یہ ضوفشانی خاص طور سے صرف اور صرف اسی کے لیے ہے۔ وہ روشنی سے بھرے اپنے دل کے ساتھ بہتر سال کی عمر تک پہنچ چکا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ سٹھیا گیا ہے' وہ اس کا نام تقریباً بھلا چکے تھے۔ اسے اس سے دکھ نہ پہنچتا۔ وہ سوچتا نام میں کیا رکھا ہے؟ لوگ اگر اسے پہچانتے ہیں تو یہ ہی کافی ہے۔ انسان ازلی طور پر انسانی برادری سے بندھا ہوا ہے۔ کیا صرف ایک نام اسے اس برادری سے کاٹ سکتا ہے؟ جیسے جیسے بازار جانے کا دن قریب آتا اس کے دل میں ایک قسم کی بے چینی پیدا ہونے لگتی۔ اس دن وہ انسانی اجسام کی بو محسوس کر سکتا تھا۔ یہ بو غیر شعوری طور پر اس کے ذہن کو روشن کر دیتی۔ ابوالہاشم دکان داروں سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا جو اس کے سامنے اجنبی اشیاء کا ڈھیر لگا دیتے۔ اسے چاہے کچھ خریداری کرنی ہوتی یا نہیں لیکن وہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ضرور جاتا۔ وہ ان سے بات چیت یں وقت گزارتا۔ کبھی انہیں کوئی چھوٹا سے مشورہ دیتا تو کبھی ان کے ذاتی مسائل پر تبادلہ خیال کرتا۔ ان میں سے اُن سے جو بہت مصروف ہوتے اس کی گفتگو نہ ہو پاتی لیکن وہ اس کا

MashalBooks.org

بُرا نہ مانتا۔ اگر ان سے محض نظروں کا ہی تبادلہ ہو جاتا تو وہ محسوس کرتا جیسے ڈھیروں الفاظ بولے جا چکے ہوں۔ یہ لوگ سمندر اور درختوں کی طرح تھے۔ سیاہ اور سایہ دار' ان کی اضافی کشش ان کی بو تھی' تم بھی اسے محسوس کر سکتے ہو۔ اگر ان میں سے بہت سے لوگ کسی ایک جگہ اکٹھے ہوں۔ دوسری صورت میں یہ بو اتنی تیز نہیں ہوتی اور اگر یہ تیز نہ ہو تو ابوالہاشم کے حواس اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ وہ انسانوں کے حوالے سے دل میں عزت رکھتا تھا۔ اس سے انسان کی بے قدری نہیں ہوتی تھی بلکہ اسے اس روش سے نفرت تھی۔ وہ اس رویہ کو اپنے آپ سے فاصلے پر رکھتا' وہ انسانوں سے پھوٹنے والے رنگوں کو ذخیرہ کرتا اور انہیں دل کے پڑوس میں سینت دیتا۔ بازار والے دن وہ سمندر کا تصور کرتا، وہ دیکھتا لہریں انسانی سروں کے اوپر سے گزر رہی ہیں' یہ تصور اس کے لئے اضافی شادمانی کا ایک ذریعہ تھا۔ شادمانی' اس بات پر کہ وہ جس جگہ بھی ہو اس سے گہرے طور پر جڑا بھی رہ سکتا ہے اور الگ تھلگ بھی ہوتا ہے۔ ابوالہاشم کے لیے یہ احساسات ان مول حیثیت رکھتے ہیں۔

کٹرائے کے مہینے میں بازار کے دن' ایک شان دار جشن منایا گیا۔ جس میں اس نے خاموشی سے ہم آہنگ ہو کر نغمہ پر رقص کیا۔ جو ایک ممتاز گلوکار کا گایا ہوا تھا۔ نغمے کے بول تھے۔ اوہ! گلوکار میں بہتر سال کا بوڑھا آدمی ہوں۔ تم میرے دل کو عزیز ہو۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ الفاظ کیوں کر اس کے ذہن میں آتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کی عمر بہتر سال یا اس سے کم یا اس سے زیادہ ہے۔ بعد میں بھی' اس نے اس مسئلہ پر بہت سوچا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ شاید کبھی وہ شاعر بننا چاہتا تھا۔ جب کبھی اس میں یہ خواہش جنم لیتی' رنگ برنگی مچھلی اس میں نمود پاتی۔ پھر وہ اپنے آپ پر اختیار نہ رکھ پاتا۔ یہ احساس کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ بھی حاصل کرنے سے محروم رہا اسے جیسے روند ڈالتا۔ اس کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ تم نہیں دیکھ سکتے کہ وہ کیسا لرزتا ہے۔ یہ لرزش نظر نہیں آتی۔ اس دن کے بعد سے اسے ایک ایسا بوڑھا سمجھا جانے لگا جو سٹھیا گیا ہو۔ اس میں کیا خرابی ہے؟ نہیں' اس میں کوئی برائی نہیں' وہ اپنی جگہ پُرسکون ہو بیٹھا' لوگ اس کا نام بھلا چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ سے پیدا ہو چکا ہے۔ اپنے نئے جنم کے اس خیال نے اسے اپنے اردگرد سے لاتعلق بنا دیا۔ اپنے نئے جنم کا یہ تصور اسے عجیب وغریب لگتا۔ یہ ایسا لگتا ہے جیسے اس کے ہاتھوں میں دھاگے کی چرخی ہو جو گھوم رہی ہو اور اس میں سے تازہ دھاگا نکل رہا

ہو۔ کتنا رنگا رنگ اور دھاگہ کتنا نظر فریب ہے۔ دھاگا اس کے لئے اپنے آپ کو نت نئی شکلوں میں ڈھال رہا ہے۔ جب وہ اپنا پیراں ڈیزائنوں میں ڈالتا ہے تو اس کی خواب دیکھنے کی خواہش اس پر غالب آجاتی ہے۔ چند برس قبل ایک غارت گر رات کے اَن مٹ اندھیرے میں ایک طوفان آیا اور اس کی کاشت کارانہ زندگی سے متعلق ہر چیز کو بہا لے گیا۔ اس کے بعد ایک اور آغاز۔ ایک بار پھر خوابوں کی دنیا میں سر! کیا اب اس کے پاس اتنا وقت ہے کہ زندگی کی بساط کو نئے سرے سے بچھا سکے؟ کیا وہ ایک نیا آغاز کرے۔ اپنے صحیح اور غلط کے فہم کی ایک بار پھر تجدید کرے؟ کیا اسے ایک نئی زندگی تعمیر کرنی چاہئے۔ وہ عمل جسے لوگ بنانے کا نام دیتے ہیں؟ وہ کس قسم کا گھر تعمیر کرے، کس قسم کے اسباب اور افراد ہوں؟ گھر کی بنیاد، چار دیواری، چھت، برال کی چھت ڈالنے کے لیے ماہرین کی تعیناتی۔ کیا اسے یہ سب چیزیں کرنی شروع کر دینی چاہئیں؟ گھر بنانے کے لے تمہیں دوسرے افراد کی ضرورت پڑتی ہے، کم از کم ایک اور آدمی۔ بعد میں افراد ایک سے دو اور دو سے پانچ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے زندگی پھلتی پھولتی ہے۔ اس کے اسی عمل میں تخلیق کا لطف بھی ہوتا ہے۔ مسرتوں کی بیش بہا سنسنی۔

اس لحہ میں اس نے رحانم کو یاد کیا۔ اس نے فرض کیا کہ ممکن ہے رحانم اس وقت خاموشی سے لیٹی سو رہی ہو۔ اس کی سانسوں کی آمد و رفت کے ساتھ اس کا سینہ نرمی سے اوپر نیچے حرکت کر رہا ہو۔ اس کے نتھنے پھیل اور پچک رہے ہوں۔ اس کے ہونٹ بے حد خشک ہوں جنہیں اگر زبان سے چھوا جائے تو وہ اچھے خاصے تر ہو جائیں۔ اس کی بند پلکوں کے نیچے گہری سیاہ لکیر ہے۔ جب وہ کھلی ہوں تو دیکھنے والے اسے دیکھ کر خوش گفتار ہو جائیں اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیں۔ آہ! ابوالہاشم نے شاید کچھ زیادہ ہی سختی اور خاموشی سے خود کو بُرا بھلا کہا۔ اس کے دائیں پیر کی بڑی سی ایڑی ریت میں کھرونچے لگا رہی تھی۔ ابوالہاشم نے خود کو یاد دلایا۔ تمام عزائم اور مقاصد کے باوجود میں اس کا باپ ہوں کیوں کہ وہ مجھے باپ کہتی ہے۔

وہ بُری طرح خود پر چیخا۔ تو کیا آدمی اس عمر کو پہنچ کر ہر چیز کھو دیتا ہے؟ کیوں؟ وہ ایک مسخرے کی سی جہنمی زندگی کیوں گزارے؟ کسی نہ کسی کو تو برا بھی ہونا چاہئے۔ کوئی تو ہو جو میرا ساتھ بھی دے، وہ چلتا رہا اور اس نے طویل فاصلہ طے کیا۔ اب وہ ٹیلا جو اس کے لیے بے حد جانا پہچانا ہو چکا تھا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب وہاں صرف پورے چاند کی روشنی تھی۔ جب سے ہر کونا کھدرا

نہایا ہوا تھا۔ وہ بہت بڑا چاند اس کے سر کے اوپر حرکت کر رہا تھا۔ ابوالہاشم نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اسے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ اگر وہ لوٹ کر گھر نہ جا سکا تو رحانم اور سکھ دیپ اس کے لئے پریشان بھی ہوں گے یا نہیں۔ اس نے ان دونوں کے ساتھ مل کر ایک نیا خاندان قائم کیا تھا۔ اب اسے ان دونوں کا خیال رکھنا تھا چاہے یہ اسے پسند ہو یا نہ ہو اور وہ بھی یقیناً پریشان ہوں گے کیوں کہ ان کے لیے بھی سوائے اس کے کوئی اور قابل بھروسہ نہیں تھا۔ اس لئے انہیں اس کی بے حد ضرورت تھی۔ ضرورت؟ بس اور کچھ بھی نہیں؟ کیا محض ضرورت ہی لوگوں کو ایک خاندان یں اکٹھا رہنے پر مجبور کرتی ہے؟ ان خیالات نے اس کے دکھ کو دوچند کر دیا۔ اس لمحہ وہ خاندان کی زندگی کے بارے میں زیادہ سوچ و بچار کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اب وہ صرف خواب دیکھنے میں محو رہنا چاہتا تھا۔ صرف ایک خواب، متلون لہریں اس کے پیروں کو گیلا کر رہی تھیں۔ وہ گیلی ریت میں دھنسے جا رہے تھے اور رنگ برنگی مچھلی اس کے پیروں کے ساتھ اوپر اور اوپر ہو رہی تھی۔ وہ اب اس کی ران تک پہنچ کر تھم گئی تھی۔ ابوالہاشم کا دل چاہا کہ وہ دوڑ پڑے، وہ کافی دور تک بھاگتا چلا گیا۔ اپنی جوانی میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ اسی قسم کے کھیل میں منہمک رہا کرتا تھا۔ اس کی بیوی کی دائیں ران پر ایک بڑا سا سرخ پیدائشی نشان تھا۔ اس کا منہ کسی بھینسیے کی طرح اس نشان کی طرف لپکتا جیسے وہ بے تابی سے اپنے کھانے کے برتن میں منہ ڈال دیتا ہے۔ یہ پیدائشی نشان ایسا لگتا تھا جیسے اس کے لئے موت کی علامت ہو۔ جس نے اس سے اس کا دل چرا لیا ہے۔ وہ ایک عجیب و غریب اناز میں خاموش ہو جایا کرتا اور پھر اس کا پورا بدن سن ہو جاتا۔

وہ کھیل اب اس پر غلبہ پا چکا تھا۔ اس نے اس ساحلی تودے پر وہ سرخ نشان تلاش کیا۔ لیکن وہ وقت اب گزر چکا تھا۔ اب وہ جوان نہیں رہا تھا اور نہ ہی اب اس میں جذبات کی وہ سنسنی باقی رہی تھی۔ وہ جلد ہی تھکن سے چور ہو گیا۔ ایک گہرا پچھتاوا پورے علاقے پر چھا گیا' لگتا تھا موت کا فرشتہ عزرائیل اس آواز کو تھام کر زمین پر اتر رہا ہو۔ اس دہشت ناک فضا نے ابوالہاشم کے دل کو خوف سے معمور کر دیا۔

وہ جگہ لاتعداد سرخ کیکڑوں سے اٹ گئی۔ سرخ کیکڑے اس کے پورے بدن پر کاٹ رہے تھے۔ ابوالہاشم کو تکلیف سے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اب وہ مزید آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ کیا وہ پھر سے واپسی کا، اپنے گھر کا راستہ تلاش کرے، گھر؟ کیا وہ واقعتاً اس کا گھر بن سکتا ہے؟ کیا

MashalBooks.org

یہ غلط ہے کہ رحانم اسے باپ کہہ کر پکارے؟ یا سکھ دیپ کا نانا؟ اب ابوالہاشم نے ہانپنا شروع کر دیا تھا۔ اس میں مزید چلنے کا یارا نہ تھا۔ نہ ہی اسے یہ سوچنے میں کوئی دلچسپی تھی کہ رات کتنی گزر چکی ہے۔ وہاں کہیں بھی انسانی زندگی کا کوئی سراغ نہ تھا، صرف چیختا چنگھاڑتا سمندر تھا' اپنی اسی بے پناہ طوفانی شدت کے ساتھ جو کبھی کیوکاٹا کی تمام انسانی آبادی کو اپنے ساتھ بہا کر لے گئی تھی۔

ایک تکلیف دہ حادثہ کبھی کبھی مستقل ناسور بھی بن جایا کرتا ہے۔ جب کبھی یہ حادثہ یاد آتا ہے تو انسانی ذہن پر تشدد احتجاج سے لبریز ہو جاتا ہے اور سر گھومنے لگتا ہے۔ یہ یاد دماغ میں جا کر جم سی جاتی ہے کسی کشتی کی طرح جو سمندر میں لنگر انداز ہو۔ یہ صرف ہوا یا لہروں کے ساتھ ڈولتی ہے۔ یادداشت بھی کچھ اسی قسم کی ہوتی ہے جب کبھی اسے موقع ملتا ہے اس میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ اس لمحہ ابوالہاشم سخت کوشش کر رہا ہے کہ اسے بھلا دے۔

اب وہ اس گمان میں ہے کہ وہ کیوکاٹا سے علی پور بازار جا رہا ہے۔ جب کہ سڑک کی دونوں جانب سبز دھان کے کھیت یا فصل کے کٹ جانے کے بعد دھان کی باقی رہ جانے والی جڑوں نے دل کی شکل اختیار کر لی ہے جو اس خالی پن کے احساس کو زائل کر رہا ہے اور جیسے سارا علاقہ جناتی قہقہوں کی آواز سے بھر گیا ہے۔ جس سے ابوالہاشم ایک گہری افسردگی کے احساس سے جیسے جم سا گیا۔ وہ سڑک کے ایک طرف ٹانگیں پسار کر بیٹھ گیا۔ قریب ہی کیچڑ میں مینڈک رقص کر رہے تھے۔ اسے وہاں سے ایک آواز آتی سنائی دی۔ نہیں' یہ جھنگروں کا گیت نہیں ہے۔ وہ اسے شناخت نہیں کر پا رہا تھا' ایسا لگتا تھا جیسے اس نے یہ آواز پہلے کبھی سنی ہی نہ ہو۔ اس کے باوجود کہ یہ اس کے کانوں کے لئے مانوس تھی اور روز ہی سنائی دیتی تھی لیکن جانے کیوں اس کے لیے پھر بھی اجنبی ہی رہی۔ ابو ہاشم نے گرد و پیش پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ان گنت جگنو اس کے گرد جگمگا رہے تھے۔ ان میں سے ہزاروں اپنی چمک دمک کے ساتھ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ لوگوں کو یہ کہتے سن رہا تھا کیا آفت کا مارا انسان ہے۔ یہ بالکل تنہا ہے' کوئی بھی تو نہیں جو اس کی دیکھ بھال کرے۔ دیکھو تو' یہ کیسے دکھ جھیلتا ہے' کیسے دکھ ہیں؟ کیا یہ جگنوؤں کی دمک ہے؟ یا جھنگروں کی آواز؟ ابوالہاشم گھاس پر ڈھیر ہو گیا۔

اس نے آسمان کا جائزہ لیا جو زمین پر محراب کی طرح تنا ہوا تھا۔ اس نے چاند کی روشنی میں چند خطوط جھلملاتے دیکھے۔ ہر چیز جو اس کی بصارت کی حد میں تھی اس کی بیوی کی ران کے سرخ

MashalBooks.org

پیدائشی نشان سمیت نابود ہوتی جارہی تھی۔ یہ پیدائشی نشان جوانی میں اس کی بیوی اوراس کے لیے گفتگو کا پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ دونوں اس کے بارے میں کتنی ہی باتیں کرتے' مانی مالا ابوالہاشم سے کہا کرتی

''اگر میں کبھی کھوگئی تو یہ نشان مجھے ڈھونڈنے میں تمہاری مدد کرے گا''

''کیوں' تم کیوں کھو جاؤ گی؟''

''کیوں؟ فرض کرو ایک عظیم سیلاب آئے اور ہر چیز اپنے ساتھ بہالے جائے۔''

''تم پاگل۔ میں تمہیں سیلاب میں نہیں بہنے دوں گا' میں تمہیں زور سے اپنے سینے سے بھینچ لوں گا۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کھوئے گا' نہیں، کبھی بھی نہیں۔''

گفتگو کے دوران ابوالہاشم اتنا جذباتی ہو جاتا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔ مانی مالا اپنی ساڑھی کے پلو سے اس کے آنسو پونچھا کرتی۔ پھر بعد میں وہ اپنے آنسو خشک کرتی، جب وہ پُرسکون ہو جایا کرتے تو مانی والا دھیمی آواز میں کہا کرتی۔

''کیا کہیں سیلاب کی پیش گوئی کی جا سکتی ہے؟ ہم سمندر کے کنارے آباد ہیں' سیلاب بہت مزے سے ہمیں بہا کر لے جا سکتا ہے۔''

''سیلابوں کے بارے میں گفتگو ختم کرو۔''

ابوالہاشم بوسوں کی شدت سے اس کے ہونٹ بند کر دیا کرتا' جذبات کا شدید ریلا بہہ نکلتا اور مانی والا وحشی جذبات کے بھنور میں ڈوب جایا کرتی۔ بعد میں وہ دونوں ہی نیند میں بے سدھ ہو کر پڑے رہتے۔

لیکن بعد میں سیلاب واقعتاً مانی مالا کو اپنے ساتھ بہالے گیا۔ اسے تلاش نہ کیا جا سکا اس کے اس پیدائشی نشان کا کیا بنا؟ کیوں مانی مالا نامعلوم اور نامانوس کے ساتھ کھوگئی۔ اس کے باوجود بھی کہ اس کے جسم پر ایک واضح پیدائشی نشان موجود تھا؟ اسے کیوں تلاش نہ کیا جا سکا؟ ابوالہاشم نے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف پھیلا کر آسمان پر نظریں جما دیں۔

ایک کتا وہاں سے گزرا۔ ابوالہاشم کو جو کیوکا ٹا کے پورے چاند کے زیر اثر تھا۔ ایسا لگا جیسے یہ کتا انسان ہو۔ اس نے اسے دم سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ کتا کسی پرانے آشنا کی طرح اس کے پہلو میں آلیٹا۔ اس کے منہ سے رال کے قطرے گر رہے تھے۔ وہ اپنی دم ہلا رہا تھا اور اس

کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ یک بارگی اس نے اپنے پیر ابوالہاشم پر رکھ دیئے اور پھر اپنا سر اس کے پیٹ پر ملنے لگا۔ ابوالہاشم دبلا پتلا اور نہایت نحیف تھا جب وہ سانس لیتا تو اس کی پسلیاں اوپر نیچے ہوتی دکھائی دیتیں۔ آخر کار اس نے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ لگتا ہے یہ سو رہا ہے' نہیں' یہ پوری طرح سو نہیں رہا' شاید یہ غنودگی محسوس کر رہا ہے ایک مخصوص پاٹ دار آواز بار بار اس کے شعور کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ یہ آواز درد بھری چیخ بنکر پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس پر کتا اوپر اچھلا اور بھونکتا ہوا بھاگ گیا۔ وہ پلٹ کر واپس آیا اور پھر آگے کو دوڑ گیا۔ شاید اس نے اس آنے جانے میں ایک کھیل کو دریافت کر لیا تھا اور اس کھیل سے خوش ہو رہا تھا' آہ خوشی! خوشی کیا ہے؟ کیا یہ کتے کے بھونکنے میں مضمر ہے؟ ابوالہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس دن وہ علی پور بازار بھی نہیں گیا۔ یوں اس کے بہت سے کام ادھورے رہ گئے۔ وہ پریشاں خیالی کی کیفیت میں مبتلا تھا اور آخر اس پر ایک مستقل خاموشی طاری ہوگئی۔ وہ درد کی عمل داری میں تھا۔ اس کی جلد جل رہی تھی اور ایک قسم کا ان کہا خوف اس کی کھوپڑی میں سمایا ہوا تھا۔

اب وہ فوراً گھر لوٹ جانا چاہتا تھا۔ ہاں' گھر۔ اس کا بھی ایک گھر تھا۔ ایک گھر جہاں سمندر سے مچھلی شکار کر کے لوٹا جا سکتا ہے' جہاں کچھ لوگ اس کا انتظار کرتے ہیں لیکن یہ اس کے والدین' بہنیں یا بھائی نہیں ہیں۔ یہ گھر وہ نہیں ہے جسے اس نے ایک اور فرد کے ساتھ مل کر بنایا تھا جس کی کوکھ سے وہ ایک بچہ پیدا کروا سکتا تھا۔ یہ ایک بالکل مختلف گھر تھا۔ اسے بھی تعمیر ہی کیا گیا تھا۔ کیا ایسے گھر یں جس میں تین افراد محض ایک ساتھ رہتے ہوں۔ وہاں بھی ایک حقیقی گھر کی سی فضا پیدا کی جا سکتی ہے؟ کیا محض رہائش کے لیے استعمال کی جانے والی ایک جگہ گھر کہی جا سکتی ہے؟ کیا ایسے افراد کے درمیان کنبے کی سی قرابت پروان چڑھ سکتی ہے؟ شاید پروان چڑھ سکتی ہو اور شاید نہیں بھی۔ اب ان میں بھی ایک ساتھ رہنے سے ایک جسمانی قربت پیدا ہو چکی تھی۔ اس کے نتیجے میں ان کے درمیان ایک طرح کا تعلق موجود تھا۔ شاید اتنا مضبوط تو نہیں جتنا کنبے کے بندھن میں ہوا کرتا ہے جو سب کو ایک دائمی رشتے میں باندھے رکھتا ہے لیکن یہ گھر بھی ایک محرومی کا ازالہ ضرور کر رہا تھا۔ کسی کے دکھوں کو کم کر رہا تھا۔ دکھ؟ دکھ کے اس بوجھ سے اسے ایسا لگا جیسے اس کے گھٹنے دوھرے ہو جائیں گے اور کتنے دن لگیں گے کہ وہ اس جھاڑیوں سے بھرے رشتے کو طے کر سکے گا اور اپنے گھر پہنچ سکے گا؟ کب تک۔

ابوالہاشم رنج والم سے اس قدر رنڈ ھال تھا کہ اسے اٹھنا بھی گوارہ نہ تھا۔طوفان بڑھتا آ رہا تھا۔اس کی دھیمی گونج موسیقی کی لے کی طرح بہتی ہوئی اس کی کانوں تک پہنچ رہی تھی جیسے کہ مانی مالا اپنی پیاری بیٹی کوسلانے کے لے لوری سنا رہی ہو۔اپنے پہلے بچے کی پیدائش پر وہ کس قدر خوش تھی۔اس کی آنکھیں جگ مگ جگ مگ کر رہی تھیں۔کیا مامتا اپنے اظہار کے لیے یہ ہی طریقہ اپناتی ہے' یہ بات ابوالہاشم پر ابھی واضح نہ تھی طوفان کی یہ بڑبڑاہٹ جیسے اس میں تبدیلی کا ایک سبب بن گئی تھی۔وہ کسی ایسے آدمی کی طرح جس پر بدروح غلبہ پا چکی ہو' اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے اپنے اردگرد نظر ڈالی اور دیکھا کہ کتا وہاں نہیں ہے۔وہ یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ کتا کب وہاں سے چلا گیا۔اس نے نیم خوابی میں مبتلا کسی شخص کی طرح چلنا شروع کر دیا۔

اس لمحہ اس نے سکھ دیپ کو دیکھا وہ دوڑتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا اور اسے نانا کہہ کر پکار رہا تھا۔اوہ! نانا۔ابوالہاشم نے اپنے اندر درد کی اک لہر سی اترتی محسوس کی۔اوہ! سات سال کا یہ بچہ نہیں جانتا کہ ابوالہاشم سے اس کا کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے۔وہ کیسی اپنائیت بھری آواز میں اسے پکارا کرتا ہے۔گویا وہ دونوں کئی نسلوں سے ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں اور جیسے خون کا یہ رشتہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔

جب ان کا صحن چاند کی روشنی سے نہا گیا تو سکھ دیپ اس کی گود میں آ بیٹھا اور اپنی میٹھی آواز میں کہنے لگا۔

''مجھے کہانی سنائیں۔''

''کہانی؟ کیسی کہانی؟''

''کوئی بھی جو آپ چاہیں۔''

ابوالہاشم فیصلہ نہیں کر رہا تھا کہ اسے کون سی کہانی سنانی چاہئے۔وہ پہلے ہی سکھ دیپ کو کئی کہانیاں سنا چکا تھا۔وہ بادشاہوں اور ملکاؤں' شہزادوں اور شہزادیوں، بھوتوں اور عفریتوں سے لے کر ہاتھیوں اور گھوڑوں' بھتنوں اور روحوں' سپاہیوں اور ملاحوں تک کی کہانیاں سنا سنا کر تنگ آ چکا تھا۔یہاں تک کہ سمندر اور مچھلی کے شکار کی کہانیاں بھی باقی نہ رہی تھیں۔جو رہ گیا تھا وہ صرف خود سکھ دیپ کی اپنی کہانی تھی۔اب وقت آ گیا تھا کہ وہ بھی حقیقت جان لے۔لیکن کس دن؟ کب؟ کیسے؟ کیا سکھ دیپ یہ کہانی بھی اسی شوق اور دلچسپی سے سنے گا جیسے جب اسے پریوں کی

کہانی سنائی جاتی ہے تو وہ سنا کرتا ہے؟ کیا کبھی بھی وہ یہ خواہش کرے گا کہ یہ کہانی سنے؟ اس کہانی کو کس انداز میں کھولا جائے کہ اس میں اس کے لیے دلچسپی پیدا ہو سکے۔ شاید یہ ایسی اعلیٰ کہانی ثابت ہو کہ جیسی شاید ہی اس نے اس سے قبل سنی ہو۔ اچانک ہی اس نے اپنے سر کو معمول سے زیادہ شدت سے ہلایا۔ پھر اپنے آپ سے گویا ہوا۔ ''نہیں۔ میں نہیں جانتا''۔ آج بھی سکھ دیپ اس کی طرف دوڑا اور اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ رحانم وہیں ان کے عقب میں موجود تھی۔ وہ اب تک سوئے نہیں تھے۔ اس کا انتظار کر رہے تھے پھر وہ اسے ڈھونڈنے نکلے۔ رحانم کے سائے نے خود کو سڑک کی دونوں جانب لگے، درختوں میں ضم کر دیا۔ عورت کا سایہ مشکل بار تھا۔ ابوالہاشم کے محسوسات میں مزید گہرائی پیا ہوگئی۔ ایک روز خالی الذہنی کے عالم میں جنگل کے درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ابوالہاشم نے نیچے گرے ہوئے پتوں کو اپنے قدموں سے روندھا۔ پتے بارش کے پانی میں تر بتر ہو رہے تھے اس نے ان پر دوڑتے ہوئے اپنے بدن میں عجیب قسم کی سنسناہٹ محسوس کی۔ وہ جب کبھی کسی نرم چیز کو چھوتا اسے اسی طرح کا احساس ہوا کرتا وہ اپنی عمر بھلا چکا تھا۔ اس دن اس نے سوچا جیسے پانی میں پڑی ہوئی یہ پتیاں عورتیں ہوں۔ اسے سمندر یاد آیا، سمندر بھی اس کے لیے ایک عورت ہی کی طرح تھا۔ جس کے بطن میں سے وہ جال بھر بھر کر روپہلی مچھلیاں نکالا کرتا۔ ایک عورت کے سوا اور کون ہے جو ایسی فراخ دلانہ پیشکش کر سکتا ہو۔ اس کے لئے تو ساحل کی ریت بھی کسی عورت ہی کی طرح تھی۔ وہ انتہائی محبت سے تمہارے پیروں سے لپٹ جاتی ہے یا کسی محبوبہ کی طرح دور دراز فاصلوں تک تمہارے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس نے ایک خواب کے سائے میں اپنا سفر مسلسل جاری رکھا، اپنے پیچھے چھوڑ آنے والی کوئی بھی چیز اسے یاد نہ تھی۔ اور کون، ہاں ایک عورت ہی بہکا دینے والا ایسا نغمہ ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی تنہائی کے ساتھ ان سب کے درمیان میں تھا۔ وہ جس کی مردانگی، قوت مردمی اور جنسی طاقت میں اب بھی کوئی کمی نہ آئی تھی۔ اسی لئے ابوالہاشم اپنی عمر کو بھلائے رکھتا تھا۔

خود اپنی عمر کو بھلائے رکھنا ایک عجیب پُر لطف تجربہ ہے۔ ابوالہاشم کے لیے یہ ایک قسم کا نیا جنم تھا۔ ایسے لمحات میں، وہ نئے جنم کی پر کیف سنسنی تجربہ کیا کرتا، عورتوں کے لیے بھی وہ اسی قسم کا تاثر رکھتا تھا۔ کسی چیز میں ایک عورت کے نقوش دیکھنا اور پھر اس کے نزدیک جانا ایسا ہی ہے جیسے اپنی ذات میں ایک نئے پن کو دریافت کرنا۔ جیسے وہ سکھ دیپ کو اَن گنت کہانیاں سنایا کرتا اور انہیں

MashalBooks.org

بیان کرنے کے لیے لاتعداد قسم کی تکنیک استعمال کرتا۔ اس سے وہ روزانہ اپنی ذات سے تعلق کی تجدید کا ہنر سیکھ گیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ مستقلاً عالم بشاشت میں اپنے دن گزارا کرتا۔ سکھ دیپ کے سر کو تھپکتے ہوئے وہ کہتا

''بچے! تم اب تک سوئے نہیں؟''

''میں کیسے سو سکتا ہوں؟ تم گھر پر نہیں ہو۔ میں تمہارے بغیر نہیں سو سکتا۔'' اس وقت رحانم اس کے نزدیک آ جاتی۔ وہ ایک مختلف عورت نظر آتی۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے جس سے کبھی بہت پہلے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ لڑکی جو اس کا باپ کا سا احترام کرتی تھی جس نے اس کے گھر پناہ لے رکھی تھی اور اپنے دکھ بھلا بیٹھی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ نئی زندگی کیسے گزارنی چاہیئے۔ کیا اسے اب بھی کسی قسم کا احساس محرومی تھا؟ کیا وہ اس نئی زندگی کے ہر لمحہ سے لطف اٹھا رہی تھی؟ کیا وہ یہاں سے کہیں اور بھاگ جانا چاہتی تھی؟ ایک ایسی جگہ جو یہاں سے کہیں بہت دور پرے ہو؟ کسی اور کے پاس؟ شاید نہیں' لڑکی کا ذہن بہت سادہ ہے۔ وہ کسی بھی چیز کے بارے میں زیادہ گہرائی تک نہیں سوچ سکتی۔ کیا وہ اونچی خواہشات رکھتی ہے؟ یا اسے اس کا کبھی موقع ہی نہیں ملا؟ شاید اگر اسے کوئی موقع ملا ہوتا تو وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھاتی۔ رحانم کی آواز بڑی دلکش تھی۔ اس آواز میں یہ شکایت تشکیل پاتی۔ بابا! آپ ہم سے ایسا رویہ کیوں روا رکھتے ہیں؟

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''یہ کیسا پاگل پن ہے؟''

''کیا تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔''

رحانم خاموش رہتی ہے۔

''تم بولتی کیوں نہیں، ما؟ کیا میں تمہیں دکھی کرتا ہوں؟''

''تم ہمارے دکھ کا باعث کیوں بنتے ہو؟ یہ تم ہو جسے تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر تمہارے عمر کے آدمی کا خاندان نہ ہو تو وہ بے شمار دکھ جھیلتا ہے۔''

ابوالہاشم نہ سنائی دینے والی آواز میں بڑبڑایا۔ کیسے دکھ؟ وہاں کیا دکھ ہو سکتا ہے جہاں تین افراد اکٹھے رہتے ہوں؟ رات گہری تاریکی میں بہہ رہی تھی۔ اندھیرے کی آپس میں پیوستگی میں

اضافہ ہورہا تھا۔ وہ اپنی ذات کی ایسی ہی تاریکی اور بوسیدگی میں دھجی دھجی ہوکر رہ گیا تھا۔ سڑک کی دونوں جانب ناریل کے لاتعداد درخت تھے۔ ناریل کی دبیز شاخوں میں سے آسمان ایک لکیر جیسا نظر آرہا تھا۔ بارشوں کے موسم میں پیڑ اور پودے نہایت جاذب نظر منظر پیش کرتے ہیں۔ وہ کتنے زیادہ نازک اور سرسبز دکھائی دیتے ہیں۔ اس سب کے بیچ رحانم کی موجودگی اور زیادہ شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

ابوالہاشم سکھ دیپ کا ہاتھ تھامے آگے چل رہا ہے اور رحانم ان کے پیچھے آرہی ہے۔ وہ ایک تنگ مزاج اور خودسر لڑکی ہے۔ وہ ہر بات پر تنقید کرنے کی عادی ہے اور ذرا ذرا سی غلطی پر بھڑک اٹھتی ہے۔ ایسے حالات میں ابوالہاشم اسے نظر انداز کر دیا کرتا اور اس کی کوشس ہوتی کہ پُرسکون رہے۔ اپنے سالانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے اس کی کوشش ہوتی کہ وہ مقامی مہاجنوں کے گھروں پر دھان کی چھڑائی کا کام کرے۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ ابوالہاشم سے مالی مدد لینے سے اجتناب کیا کرتی۔ وہ دونوں سکھ دیپ کے اخراجات مل کر اٹھاتے۔ آخر وہ ان دونوں ہی کا تھا۔ ابوالہاشم نے کچھ دیر بعد پیچھے مڑ کر رحانم کو دیکھا۔ سکھ دیپ روتے ہوئے چلایا۔ ''ماں! جلدی کرو۔'' ابوالہاشم بالکل ساکت کھڑا تھا۔ رحانم خاصے فاصلے سے انہیں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی وہ جس قدر ان کے نزدیک آتی جارہی تھی۔ ابوالہاشم اتنا ہی اس کے لئے غیر واضح ہوتا جا رہا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی نظروں سے اکثر چیزیں کیوں اوجھل ہوجایا کرتی ہیں اور پھر اس خلاء میں ایک اور فرد کی شبیہہ ابھرتی ہے۔ ایک آدمی جس تک ابوالہاشم کبھی نہیں پہنچ سکتا تھا؟ پھر وہ رنگ برنگی مچھلی ابوالہاشم کے سر میں جگمگاتی۔ روشن ضمیر کے اس انتہائی لمحے میں رحانم اس کے قریب آئی اور اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑ کا لیکن اس نے اس سے پوچھا۔

''ہاں بھئی بیٹی! کیا آج کام بہت کیا ہے تمہیں چلنے میں مشکل ہورہی ہے؟''

''نہیں بابا، نہیں تو۔ آج یہ پورا چاند خطرناک حد تک خوب صورت لگ رہا ہے۔ بابا۔ تمہیں معلوم ہے میں نے اتنا بڑا گول چاند اس سے پہلے کبھی بھی نہیں دیکھا۔ یہ مجھے پاگل کررہا ہے۔

ابوالہاشم نے بے تحاشہ اور بہت زور سے قہقہہ لگایا اور ہنستا چلا گیا۔ اس کے قہقہے کی گونج

سے سارا علاقہ بھر گیا۔ ابوالہاشم کے قہقہہ کی بلند آہنگی شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی اور سکھ دیپ اور رحانم بھی بے چارگی سے اس کے ساتھ ہنستے چلے گئے لیکن وہ ابوالہاشم کے اس طرح اچانک قہقہہ لگانے پر بہرحال حیران بھی تھے۔ وہ نہیں جان سکتے تھے کہ ابوالہاشم اس وسیع اور کھلی جگہ پر دراصل خود کو منکشف کر رہا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے قہقہے کی گونج وہاں تک پہنچے جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی ہے بلکہ اس سے بھی اور آگے۔ علاقے کے ان حصوں تک بھی جو نظر نہیں آتے۔

ایک موقع پر سکھ دیپ نے ابوالہاشم کا ہاتھ کھینچ کر کہا۔ ''اسی وجہ سے لوگ تمہیں بوڑھا گاؤدی کہتے ہیں۔'' ابوالہاشم جس کے قہقہے کا دم ٹوٹ رہا تھا نئے سرے سے ایک نئی شدت کے ساتھ قہقہہ لگانے لگا۔ وہ اس قدر ہنسا کہ اسے ہچکیاں آنے لگیں۔ حقیقتاً یہ ہچکی نہیں تھی بلکہ قہقہہ کے تواتر کی پلٹتی ہوئی گونج تھی۔

اس موقع پر دوسرے دونوں خوف زدہ ہو گئے۔ انہیں آج پہلی بار یہ تجربہ ہوا تھا کہ کبھی کبھی ہنسی بھی خوف زدہ کر دینے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ سکھ دیپ نے رحانم کو دھڑ دھڑایا۔ اس نے ابوالہاشم کے ہاتھ کو دباتے ہوئے اس سے التجا کی۔ ''بابا! اتنا زیادہ مت ہنسو۔''

ابوالہاشم نے رحانم کے سر پر ہاتھ رکھ کر اچانک چپ ہوتے ہوئے کہا'' کیوں؟ میں کیوں نہ ہنسوں؟''

''کیا تم نہیں جانتے جتنا زیادہ ہنسو گے اتنا ہی زیادہ رونا بھی پڑے گا۔ ایسا رام سنا نے کہا تھا۔''

''میرے پاس اب کیا رہا ہے جس پر روؤں؟ میرے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔ میں اب مزید نہیں رو سکتا۔''

''یہ ہی تو خواب دیکھنے کا وقت ہے۔ کیوں بابا! کیا ایسا نہیں ہے؟''

''ہاں حقیقت تو یہ ہی ہے۔'' ابوالہاشم نے یہ کہتے ہوئے گہری آہ بھری۔

''بابا! تم نے یہ آہ کیوں بھری؟''

رحانم اپنے ان الفاظ میں بے حد مخلص تھی۔ ابوالہاشم نے جواب نہیں دیا۔ وہ آہ بھرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے غیر شعوری طور پر اس کی خلاصی ہو جایا کرتی۔ اسے کسی بات کا دکھ ہے؟ وہ کس لئے شرمندہ ہے؟ صرف اپنے دکھوں پر قابو پانے کے لیے اس نے کتنی ہی چیزوں کو ایسے قبول کر لیا تھا جیسے وہ اس کی اپنی ہی ہوں وہ تنہا آوارہ گردیاں بھی اسی کا حصہ ہیں۔ پھر یہ آہ کس لئے؟ کاہے

کے لئے؟ یہ پورا گول چاند بھی ان چیزوں میں سے ہے جسے اس نے اپنے وجود کے ایک حصہ کے طور پر اپنایا تھا۔ وہ بیک وقت گھر پر انسان اور فطرت کے ساتھ تھا۔ ان سب سے وہ تشفی حاصل کیا کرتا' وہ سب اس کے احساسات سے مربوط تھے۔ اس کے باوجود آہ' اپنے اظہار کی قوت رکھتی تھی۔ اس کے دل کو تہہ و بالا کر سکتی تھی جب وہ گہرے سمندر میں مچھلی پکڑنے جایا کرتا اس کی ذات میں سمندر کے خلاف ایک کبیدگی سی ابھرتی۔

کیوں؟ کیوں یہ بے معنی افسردگی؟

بہت زمانہ ہوا اس کی زندگی کے ایک بڑے حصہ پر قلم تنسیخ پھیر دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں اس کی زندگی نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔ ایک نیا سفر، چاہے حالات کتنے ہی تکلیف دہ کیوں نہ تھے شروع ہوا۔ یہ بلاشبہ ایک لطف کا معاملہ تھا۔ ایک نئے راستے کی دریافت کا لطف' نئے اجالے کا لطف' کسلندی ایک داخلی احساس ہے۔ تم تھکن کا احساس ہمیشہ کے لیے نہیں سہار سکتے۔ ایک وقت آتا ہے جب یہ تحلیل ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کیا بقا ممکن ہے؟ پھر بھی جب وہ دردناک لمحہ' وہ نقطہ تغیر اس کے ذہن میں آتا ہے تو وہ اپنے سینے پر ایک بوجھ سا محسوس کرتا ہے اور ایک گہری آہ بھرتا ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک تباہ کن طوفان اپنے غیض و غضب کا آغاز کر دے اور اس کا ٹرالر اس کی اونچی اونچی موجوں میں کھو جائے؟ کیا وہ پھر ایک نئے جھلساوے میں لے جایا جائے گا؟ کیا وہاں ایک نئی زندگی اس کی منتظر ہوگی؟ نہیں' مزید نہیں۔

لیکن کیوں نہیں؟ کیا زندگی کی کوئی انتہاء ہے؟ تم پھر سے اچھا خاصا آغاز کر سکتے ہو۔ نئے پن کا جوہر عمل کی ابتدا میں پوشیدہ ہے۔ کیا زندگی کا آغاز کرنے کے لیے آدمی کو جوانی کی ضرورت پڑتی ہے؟ نہیں' یہ قطعی ضروری نہیں ہے۔ چاہے جو بھی ہو میں بوڑھا ہی سہی لیکن میں خواب دیکھنا جاری رکھوں گا۔ میں زندگی کو روشن کروں گا پھر رنگ برنگی مچھلی تیرتی ہوئی خلیج بنگال میں نہیں۔ اس کی کھوپڑی میں در آئی۔ لیکن اگر کیوکاٹا کے پورے چاند کی روشنی ایک سمندر بن سکتی ہے۔ افق تک پھیل سکتی ہے تو یہ کھوپڑی بھی رنگ برنگی مچھلی کا سر بن سکتی ہے۔ وہ کوئی اور نہیں صرف ابوالہاشم ہی ہوگا جس کے لیے وہ مچھلی خود کو لاکھوں کروڑوں میں بانٹ کر اس کا جال اور گھر بھر دے گی۔ جو ابوالہاشم کو ٹرالر کے حصول میں مدد دے گی۔ اوہ! ایک نیا ٹرالر۔ اس خیال سے ابوالہاشم میں اس

کی جوانی بحال ہوگئی۔ وہ اپنے بچپن ہی سے ایک ٹرالر کا خواب دیکھتا آیا تھا۔ ایک خواب جس پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ خواب کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا۔ پھر بھی جب کبھی وہ اپنی کھوپڑی کی درخشندہ تنہائی میں گم اپنے آپ کو مختلف اقسام کے کیف آور ذہنی کھیلوں میں محو کر دیتا۔ تو وہ اپنے تمام تر احساسات کے ساتھ تازہ دم ہو جایا کرتا۔ ایک سنسنی سے اس کے پورے جسم میں دوڑ جاتی جیسے وہ تپتی ہوئی گرمی میں دور کسی نقطہ پر نظر جمائے۔ سیلی ہوئی ریت پر چلا جا رہا ہو۔ اس نقطہ پر جہاں سمندر اور آسمان باہم ہم آغوش ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خیالات ابوالہاشم کو مسحور کر دیتے، ایک شادمانی اس پر غلبہ پا جاتی۔ وہ محسوس کرتا جیسے وہ دوڑ پڑا ہو اور صحن کے چکر کاٹ رہا ہو۔

اس وقت تک وہ اپنے گھر کے صحن تک پہنچ چکے تھے۔ ایک صاف وشفاف سلیقہ سے لیپا ہوا صحن، رحانم اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھنا پسند کرتی تھی۔ برآمدے میں سوت کا نمدہ بچھا رہتا۔ سکھ دیپ نمدے کی طرف دوڑا اس پر لوٹیں لگائیں اور قلابازیاں کھانا شروع کر دیں۔ ابوالہاشم نے خود سے کہا میں اب سکھ دیپ کے بچپن میں بالکل اسی کی طرح اسی کی عمر کا ہو کر لوٹ آیا ہوں۔ تب سکھ دیپ ابوالہاشم کی طرف دوڑا اور اسے ہاتھوں سے پکڑ کر ضد کرنے لگا۔ ''مجھے ایک کہانی سناؤ۔''

رحانم سکھ دیپ کی روز روز کی کہانیوں سے تنگ آ چکی تھی۔ ''کیا بابا کو کھانا نہیں کھانا؟ سکھ دیپ نے اپنا منہ رحانم کی طرف موڑا۔ پھر اس کی طرف دوڑا اور گود میں گھس کر بولا مجھے بھی بھوک لگی ہے۔''

ابوالہاشم بے ساختہ ہنس پڑا جیسے اس نے اس سے قبل اپنی زندگی میں ایسا تماشہ کبھی نہ دیکھا ہو۔ رحانم ذرا نہ ہنسی۔ اس کے بجائے وہ ناراض ہوگئی اور سکھ دیپ کو ایک طرف دھکیل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی طیش میں بھری، کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے میں لیمپ جل رہا ہے، صحن کے کھلے دروازے سے ابوالہاشم اس کی جھلملاتی لُو کو دیکھ سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد رحانم دروازے میں کھڑی دکھائی دی۔ وہ لیمپ کی روشنی کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ ایک مہیب لہر جیسی نظر آ رہی تھی۔ ایک اس قسم کی لہر جو سمندر کے طلاطم کے وقت ابھرتی ہے اور غیض وغضب کے عالم میں زمین کی اور بڑھتی ہے اور پوری انسانی بستی کو تہس نہس کر ڈالتی

ہے۔ یہ منظر ایسا تباہ کن ہوتا کہ اس لہر کے گزرنے کے بعد اس کے پیچھے مکانوں، چھوٹے پودوں اور انسانوں کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہتا۔ رحانم چاولوں اور کھانوں کے برتنوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی جس سے کبھی کبھار ہلکی سی کھنک ابھرتی۔ یہ کھانے اور پھر سونے کا وقت تھا لیکن پھر بھی ایک پوری رات کو گزارنا تھا۔ اگر وہ اپنی نیند کے دوران اس خاموش موت سے جانبر نہ ہوسکا۔ یا اگر مدوجزر کی ایک تیس فٹ اونچی اور طاقت ور سرکش لہر سمندر سے باہر نہ آئی یا اگر ایک وحشیانہ ہیجان نے ہر چیز کو پلٹ نہ دیا تو ابوالہاشم کی زندگی میں ایک اور دن طلوع ہوگا۔ تب وہ سوچتا ہوا سکھ دیپ کے ساتھ تالاب کے کنارے پر آیا سکھ دیپ گھاٹ کی طرف دوڑا اور منہ پر پانی کے چھپاکے مارے۔ اس کا گلا اور سینہ بھیگ گیا، کچھ دیر کے لئے وہ پانی سے کھیلا۔ اسے ہر سمت میں اچھالا اور پھر پانی کو برآمدے کے رخ پر پھینکا اور وہیں کھڑا رہا۔

ابوالہاشم کو وہ اڑنے والی مچھلی جیسا لگ رہا تھا شاید بچپن میں سب میں یہ ہی تیزی ہوتی ہے جتنا زیادہ وقت گزرتا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ رفتار میں کمی آتی جاتی ہے۔ اس عمر میں وہ خود اپنی کتنی ہی تیزی سے محروم ہو چکا تھا۔ اب اس کی تمام حرکات اس کے خوابوں کا حصہ تھیں، اس کی زندگی میں یہ وقت خیرہ کن خوابوں کا وقت تھا۔ وہ اپنے خوابوں میں دیوانہ وار تیزی سے کوس با کوس کا فاصلہ طے کرلیا کرتا۔ اپنے ٹرالر کو تباہ کن رفتار سے بغیر تھکے، رکے چلایا کرتا۔

اس نے گھاٹ پر اپنے پیر دونوں ہاتھوں سے دھوئے۔ اس کی ایڑھیوں میں ریت اکٹھی ہوگئی تھی۔ وہ اسے صاف کرنے میں بری طرح جت گیا۔ اس کا پورا بدن سنگ ریزوں میں اٹا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے کہ اس کی زبان تک کے نیچے ریت کی ایک تہہ جمی ہو اس کے ذہن سی غیر شعوری آواز کا ایک ارتعاش ابھرا جسے اس نے نظر انداز کر دیا۔ وہ کسی آواز سے اپنی سوچ کو منتشر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب بھی وہ آواز اس کے اندرون میں داخل ہو رہی تھی اس نے محسوس یا کہ رحانم اسے برآمدے میں سے پکار رہی ہے۔ ''بابا۔ او بابا!'' ابوالہاشم پر سستی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا ''کیا وہ رحانم کا باپ ہے؟ کیسے؟ وہ رحانم کو وجود میں نہیں لایا جیسے کہ عام طور پر لوگ کیا کرتے ہیں۔ اس نے چاہا کہ چیخ کر جواباً کہہ دے کہ میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔ میرا کوئی بھی کچھ نہیں لگتا لیکن اس کے حلق سے کوئی بھی آواز نہ نکلی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی کچھ کہنے کے قابل نہ ہوسکے گا۔ زندگی اسی طرح پے چیدہ تعلق کی زنجیر سے بندھی رہے گی۔ اس سے فرار کی

کوئی صورت نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ چاہے بھی تو وہ چیخ نہیں سکتا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی قید کی شرائط کا پابند ہو۔ کیا کوئی خود اپنی ہی قید سے فرار ہو سکتا ہے؟ ابوالہاشم کے دونوں ہی ہاتھوں نے پانی میں حرکت کرنا بند کر دیا۔ ایسا لگتا ہے جیسے پانی کا لمس بھی اس کے لئے ناگوار ہو۔ یہ احساس کس قدر پیچیدہ اور تکلیف دہ تھا۔

رحانم کی آواز میں بتدریج اصرار کا رنگ آتا جا رہا تھا۔ وہ زور سے چلائی اس نے سوچا کہ شاید ابوالہاشم نے اس کی آواز نہیں سنی ہے۔ شاید وہ بہرا ہو گیا ہے' اتنا بہرہ جتنا وہ اس وقت ہو گیا تھا جب وہ بپھری ہوئی طوفانی لہر اٹھی تھی۔ جب اس کی ساری شیخی دھری کی دھری رہ گئی تھی' ذہن مردہ ہو گیا تھا اور اس کی دونوں آنکھوں سے خواب اوجھل ہو گئے تھے۔ آج خواب اپنے پوری تابنا کی کے ساتھ اس کی زندگی میں لوٹ آئے تھے لیکن وہ ایسے خواب تھے جن کی رسائی محض اس کے ذہن تک تھی۔ زندگی کے اٹل حقائق سے ان کا تعلق نہ تھا اس نے ہاتھ اور پیر دھوئے۔ لنگی اس کے گھٹنوں تک اٹھی ہوئی تھی اپنے دونوں ہاتھوں سے اس نے منہ پر پانی کے چھپاکے مارے۔ اس کی رانیں گیلی ہو گئیں۔ پانی اس کے نتھنوں میں گھس گیا' آنکھیں جلنے لگیں۔ یہ میٹھا پانی تھا لیکن ابوالہاشم کو یہ پانی ترش محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو اس نمکین پانی کو چھونے سے قطعی نہ روک سکا۔ گویا کہ ترش پانی کی دھار اس کی ناک کے اطراف اس کے سر کے اوپر' اس کے قدموں کے نیچے بلبلے بنا رہی تھی۔ وہ زمین کے اوپر بہہ رہا تھا اس کی زرخیزی کو تباہ کر رہا تھا۔ اب ابوالہاشم بھی محض اس زمین کا ہی ایک ٹکڑا ہے جس کی فصل سمندر کے ترش پانی سے تباہ ہو گئی تھی۔ وہ اٹھا اور گھاٹ سے دور چلا آیا۔ اس نے گھاس کے ایک گچھے سے اپنے پاؤں پونچھے اور اپنی گردن کو صاف کیا۔ اپنے چہرے کو لنگی سے خشک کیا، وہ اپنے جسم پر پانی کی ایک بوند بھی نہیں رہنے دینا چاہتا تھا لیکن وہ اپنی روح کو کیوں کر پونچھ سکتا تھا۔ ل ترش پانی نے اس سب کا صفایا کر دیا تھا جو کبھی اس کے پاس تھا۔

ابوالہاشم آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا۔ سکھ دیپ کی پلیٹ میں ایک بڑی سی مچھلی رکھی تھی۔ وہ ہڈیاں الگ کر رہا تھا اس کی سرخ پلیٹ میں تازہ سفید چاول تھے۔ ابوالہاشم نے کسی اندھے کی طرح نظر ڈالی۔ چاول' چاول جیسے دکھائی نہ دیتے تدھے کیا وہ کیکڑوں کے بچے تھے؟ اگر تم اپنی لنگی کو جال کے طور پر استعمال کرو تو انہیں ہزاروں کی تعداد میں پکڑ سکتے ہو۔ وہ جوٹ کے

نمدے پر بیٹھ گیا اور پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔اس نے بے حسی کی سی حالت میں کھانا شروع کیا۔ اپنی بھوک کو بھرنے کے لیے۔

رحانم نے اسے مچھلی، بھنی سبزی، مسور کی دال، تین چار چاولوں کے بھرے ہوئے چمچے دیئے اس کے باوجود ابوالہاشم نے نہیں نہ کہا۔اس میں مزید کی حرص باقی رہی۔وہ نہیں جانتا تھا کہ سکھ دیپ اور رحانم اسے پریشان نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔وہ یہ تاثر دے رہا تھا جیسے صدیوں سے غذا سے محروم چلا آ رہا ہو۔ طوفانی لہر کے بعد سے وہ مستقل جلتے ہوئے مادے پر دوڑتا رہا تھا جب کہ بھوک کی مسلسل اور شدید اذیت بھی اس کے ہمراہ تھی۔کہیں بھی کسی قسم کی غذا موجود نہیں تھی جب اسے شدید اذیت بھی اس کے ہمراہ تھی۔کہیں بھی کسی قسم کی غذا موجود نہیں تھی جب اسے شدید ایکائیاں آئیں تو وہ اپنے خالی پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے دبا کر زمین پر لوٹنے لگتا۔ان دنوں وہ کیسے شدید اور نا قابل برداشت درد سے گزرا۔

''کیا میں تمہیں ایک چمچ چاول بھر کر اور دوں۔بابا؟''

رحانم کے الفاظ ابوالہاشم کے کانون تک نہیں پہنچے۔اس وقت، وہ سوختہ جان درد کی چیخوں سے بھرا ہوا تھا۔دکھ زدوں کی آہ وزاری سے فضا بوجھل ہو رہی ہے۔نا پرندوں کی چہچہاہٹ نا پانی کی بڑبڑاہٹ۔اس کے بجائے ایک ہولناکی،ایک غیر فطری سناٹا،دکھی انسانیت کی غم انگیز چیخوں کو اپنے ساتھ بہالے گیا۔لوگ اپنے عزیزوں اور پیاروں کے نقصان پر دکھ سے منجمد ہوئے، اپنے چہروں پر دہشت لئے بیٹھے ہیں۔ص اوہ! وہ چند روز۔ وہ ہولناک دن! ابوالہاشم کے گلے سے ایک نا شنیدنی آواز برآمد ہوئی۔اس کی آنکھیں گو پھیلی ہوئی تھیں پھر بھی گول گیندوں جیسی لگ رہی تھیں۔ابوالہاشم کا رویہ کسی ایسے جنگلی جانور کا سا تھا جو ابھی ابھی اپنے غار سے باہر نکلا ہو۔

حیران رحانم نے آواز دی۔''بابا او بابا کیا ہو گیا ہے؟''

ابوالہاشم نے رحانم کے چہرے کے گھور کو دیکھا۔وہ چہرہ اس کے تصور میں آڑی ترچھی لکیروں کا روپ دھار گیا۔ وہ لکیریں، ایسا لگتا تھا جیسے ان گنت کیکڑوں کے قدموں کے نشان ہوں۔ابوالہاشم نے اپنی یادوں کی شاہراہوں پر سفر جاری رکھا۔اس وقت اس کا کسی سے بھی قطعی کوئی رشتہ نہ تھا۔اس کی بیوی اس کے تمام کے تمام چھ بچے، باپ اور ماں، بھائی اور بہنیں، دوسرے تمام رشتے ان میں سی کسی کا بھی کوئی نشان موجود نہ تھا۔وہ وسیع لامحدود جگہ ساری کی ساری اس کے

اختیار میں تھی۔ وہ اس جگہ کا مالک ومختار تھا۔ تو کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت سے اس نے خود میں کھلی جگہ میں اکیلے پھرنے کی عادت پیدا کر لی تھی۔ اس کے اندر پرشور قہقہہ لگانے کی خواہش جاگی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو ایسا کرنے سے روک دیا اور آنکھیں جھپکا کر رحانم کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ کھانا کھا چکا تھا۔ اب وہ اپنے ہاتھ دھوئے گا۔ رحانم نے اسے پانی کا گلاس دیا۔ ابوالہاشم نے پلیٹ کو پانی سے بھرا اور پھر اس میں اپنی انگلیاں ڈبو دیں۔ مسور کی دال، شوربہ اور چاول اس پانی سے دھل گئے۔

اس نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی، ایک بیڑی سلگائی۔ نمدے پر بیٹھ گیا وہ سکھ دیپ کو ہنستے ہوئے سن سکتا تھا۔ رحانم اسے ڈانٹتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ وہ نہ ہنسے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ زیادہ ہنسنا نجس ہوتا ہے۔ یہ رحانم کی ایک خاص عادت تھی وہ ہنسی کی آواز سے چڑتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہنسی بدی کا شگون ہے۔ ابوالہاشم بڑبڑایا۔ میں جانتا ہوں بیٹی میں جانتا ہوں۔ کیوں ہنسی کی آواز پر تم ایسا محسوس کرتی ہو لیکن اس عمر میں سکھ دیپ تو ہنسے گا اور یہ احمقانہ بات ہوگی کہ اسے ایسا کرنے سے روکا جائے۔ بچپن میں آدمی بے فکری سے ہنس سکتا ہے کیوں ہ اس وقت وہ زندگی کے بارے میں بہت کم جانتا ہے۔ کیا وہ بعد میں ایسا کر سکے گا؟

نہیں! شاید یہ درست نہیں ہے بعد میں وہ اس بسیط کھلی جگہ پر بالکل تنہا رہ جاتا ہے۔ ابوالہاشم نے بتدریج خود اپنے آپ پر ہنسنے کی یہ عادت پیدا کی تھی وہ بظاہر بغیر کسی وجہ کے بھی خود پر ہنس لیا کرتا۔ اس وقت وہ بچہ نہیں تھا نہ ہی یہ اس کا عنفوان شباب تھا۔ وہ اس وقت پورے طور پر اپنی درمیانی عمر کا لطف اٹھا رہا تھا۔ یہ آغاز تھا۔ یہاں تک کہ اب بھی جب وہ پرشور قہقہے لگا رہا ہوتا تو اس کا سینہ ہوا کی سیٹیوں کی آواز سے گونجنے لگتا۔ وہ ہوا جو کھلے میدانوں میں چلتی ہے، درختوں کی پتیاں سبز ہونے لگتیں۔ جنگل میں گری ہوئی پتیاں قدموں کے نیچے چرمرانے لگتیں۔ جنگلی پھولوں کی تیز خوش بو حواسوں پر غلبہ پالیتی۔ اگر تم گہرے سمندر میں ہوتے ہو تو سیگل ٹرالر کے اوپر پرواز کرتے ہیں اور اپنا پھڑ پھڑایا ہوا سایہ تم پر ڈالتے ہیں۔ قہقہے کی گونج سمندر کے نیلے پانیوں کی اتھاہ گہرائیوں کی سطح پر بلبلے اڑاتے ہوئے تھرکتی ہے۔

ایک موقع پر اس نے محسوس کیا کہ سکھ دیپ نے ہنسنا بند کر دیا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ سو گیا۔ رحانم یا تو کھانا کھا رہی تھی یا برتن دھو رہی تھی۔ بعد میں وہ اس کے قریب آئے گی اور کہے

MashalBooks.org

گی۔''بابا! کیا تم سونے نہیں جاؤ گے؟'' اس طرح کی رات میں کہ جب وہ پورے چاند کی روشنی سے منور تھی ابوالہاشم کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا دراصل وہ قطعی سونا نہیں چاہتا تھا۔ اگر وہ غنودگی محسوس بھی کرے گا تو وہ یہیں برآمدے میں نمدے پر سو رہے گا۔ تاریکی اپنی پوری شدت کے ساتھ اس کی آنکھوں کے گرد چھا جائے گی۔ تاریکی جو پورے چاند کے دوسرے حصے پر ہوتی ہے اور ''امابا سیا'' کہلاتی ہے۔ اسے اس سے نفرت تھی۔ صرف چند سال قبل ایک افسوس ناک ''امابا سیا'' میں سمندر ایک انتہائی بڑے حجم میں پھیل گیا۔ وہ رات کیسی دہشت ناک اور تاریک تھی۔

شام ہی سے بونداباندی ہو رہی تھی۔ گایوں نے اپنے چھپروں کے نیچے ناندوں کو چھونے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ وہ تکلیف میں تھیں اور عجیب و غریب آوازیں نکال رہی تھیں۔ ابوالہاشم کی پچپن سالہ بیوی مانی ملا گرتی پڑتی بھاگ رہی تھی۔ کبھی وہ گھر کے اندر جاتی تو کبھی باہر آتی۔ اس کے باپ کے ایک مذہبی راہ نما نے اس کے لیے یہ نام منتخب کیا تھا۔ اس آدمی نے اس کے باپ کو مشورہ دیا تھا کہ تمہاری بیٹی جو کہتی ہے اس پر کان دھرو اسے جادوانی روشنی سے نوازا گیا ہے۔

مانی ملا کو کوئی آسمانی روشنی حاصل نہ تھی لیکن اس کے پاس ایک چھٹی حس تھی وہ ہر خوش کن یا غمناک واقعہ کے واقع ہونے کے بارے میں قبل از وقت بہت کچھ جان لیتی تھی۔ اس نے ابوالہاشم کو بار بار بتایا تھا کہ آج کوئی بے حد خوف ناک اور تباہ کن بات ہونے والی ہے۔

ماں صرف بدی ہی کی پیش گوئی کرتی ہے۔

اظہر بڑا لڑکا بری طرح چیخ اٹھا۔ ابوالہاشم خوف سے کانپ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی کو بھی اپنی کہی ہوئی بات پر یقین ہے۔ جیسا کہ مانی ملا نے کہا۔ یقیناً کوئی بری بات آج رات واقع ہونے والی ہے۔

رات جتنی زیادہ آگے بڑھی اتنی ہی زیادہ طوفان میں شدت آئی۔ طوفانی ہوائیں ناریل کے درختوں کے اوپری حصوں کو اڑا لے گئی تھیں۔ گہرے اندھیرے میں کچھ فٹ سے بھی کسی چیز کو نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ برفانی تھپیڑے لگتا تھا کہ جلد کو پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ گالوں اور ہونٹوں پر تیز سوئیوں کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ مانی مالا نے اظہر کو بلا کر کہا کہ گایوں کو کھول دو۔ بطخوں کے ڈربے کا ڈھکن گرا دو، مرغیوں کو آزاد کر دو۔

MashalBooks.org

اظہر صحن کی طرف دوڑا' بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے شروع ہو گئے۔ سوئیوں کے سے بارش کے تیز قطرے اس کے بدن کو چھیدنے لگے۔ اس کے لیے گائے کے چھپر میں جم کر کھڑا رہنا ممکن نہ رہا۔ وہ ایک طرف سے دوسری طرف کو لہرا رہا تھا۔ ہوا اسے اڑا لے جانا چاہتی تھی، کبھی وہ چار دیواری سے ٹکراتا۔ اس کے لیے اندھیرے میں رسی تلاش کرنا مشکل تھا۔ خوف سے گھبرائی گائیں اسے لاتیں مار رہی تھیں۔ اس کا باپ برآمدے سے اسے بلا رہا تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں بے یارو مددگار کی سی حالت میں اونچی آواز میں رونے پیٹنے لگا۔ وہ کسی ایک گائے کو بھی نہ کھول سکا تھا۔ اس کے کانوں میں ابوالہاشم کی پُر اصرار آواز ہوا کو چیرتی ہوئی پہنچ رہی تھی۔

''بابا۔ او بابا! اظہر بھاگ کر ہمارے پاس آ جاؤ۔'' اس نے مانی مالا کی بھی آواز سنی۔ وہ بے حد پریشان تھے۔ وہ زور زور سے چلا رہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ گایوں کو چھوڑ چھاڑ کر وہ ان کے پاس لوٹ آئے۔ اظہر گھر کی طرف جھپٹا' تب مانی مالا کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اگر گایوں کو ان کے چھپر سے نہ نکالا جا سکا تو ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ اگر گائیں کھلی ہوتیں تو وہ کہیں جا سکتی تھیں۔ پانی کی موجوں کے ساتھ تیر سکتی تھیں اور شاید بچ سکتی تھیں یا شاید نہیں بھی۔ لیکن اس وقت وہ جس صورت حال میں تھیں اس میں موت ان کا مقدر ہو چکی تھی۔ وہ ایسی آشفتہ حالی کا شکار تھے کہ ایسے میں وہ ٹھیک سے کوئی سورت بھی تلاوت نہیں کر سکتی تھی۔ انتہا درجہ کی پریشان خیالی' اس نے برآمدے کے ایک ستون کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ تب اس نے دھاڑتے ہوئے سمندر کو مجنونانہ حالت میں آگے بڑھتے سنا۔ آسمان پر چاند نہیں تھا وہ گہرے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تاریکی میں وہ نظر نہیں آ رہے تھے' کچھ دیر بعد اظہر بلند آواز میں چیخ اٹھا۔ ''بابا! تباہی کا دن' یہ تباہی کا دن ہے' تباہی کا دن آج رات تیزی سے بڑھا آ رہا ہے۔''

اظہر کے کہے ہوئے الفاظ تباہی کا دن' نے ابوالہاشم کے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا۔ کیا یوم آخر ایسا ہو گا؟ اتنا تباہ کن' اتنا سب کچھ نگل جانے والا' کیا وہ دن اتنی دہلا دینے والی تاریکی والا ہو گا۔ نہیں' لوگ اس کے بارے میں کچھ اور تصور رکھتے ہیں۔ اس یوم آخر میں سورج اس قدر نیچے منور ہو گا جیسے کہ وہ بالکل ہمارے سروں پر لٹک رہا ہو۔ چند بالشتوں کے فاصلے پر! پھر کیا؟ یوم آخر کیسا نظر آئے گا؟

اس نے سنا مانی مالا کمرے میں بلند آواز میں آہ و بکا کر رہی ہے وہ خدا اور رسول سے مدد

طلب کر رہی تھی۔ وہ کمرے کی طرف دوڑا۔ اس نے دیکھا مانی مالا اپنی دو بیٹیوں کو زانو پر بٹھائے چار پائی پر بیٹھی تھی۔ ابوالہاشم تباہی کی اس گھڑی میں مانی مالا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا رحم وکرم مانگنے میں شامل ہو گیا۔ اس نے اذان دینی شروع کر دی۔

چند پڑوسی اپنے گھروں کی طرف دوڑے اور انہوں نے برآمدوں میں پناہ لی۔ ان کے کپڑے پانی سے شرابور تھے اور ان سے سنسناتی ہوئی آواز آ رہی تھی۔ ان سب کے پاس ایک ہی تشویش انگیز سوال تھا۔ کیا ہوا میاں بھائی؟

''خدا سے مدد مانگو۔''

ابوالہاشم کی آواز میں لرزش تھی۔ اظہر نوکیلی آواز میں بولا ''سمندر بپھر گیا ہے' کیا ہم صرف خدا سے دعائیں مانگ کر بچ سکیں گے۔''

موت کے خوف سے سراسیمہ اور گھبرائے ہوئے لوگوں میں کہرام مچا ہوا تھا۔ وہ بلند آواز میں گریہ وزاری کر رہے تھے۔ وہ نہایت مایوسی کے عالم میں اپنے ماتھے پیٹ رہے تھے۔ وہ رو پیٹ رہے تھے کہ انہوں نے اس سے قبل ایسا عذاب کبھی نہیں دیکھا۔ وقت کے ساتھ ان لوگوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ کئی دوسرے وہاں پناہ کے لیے پہنچ گئے تھے۔ ابوالہاشم نے دوبارہ اذان دی' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس کی آواز میں ہجوم کا غل غپاڑہ اور آہ وبکا بھی شامل تھی۔ وقت تیزی سے گزرا جا رہا تھا' کسی جھپٹتے ہوئے پرندے کی سی ناقابل یقین رفتار سے طوفانی ریلا بڑھا۔ اس طوفانی ریلے کی آواز سے کان پھٹے پڑتے تھے۔

مانی مالا درد وغم سے پھٹ پڑی۔ یہ آواز جو اتنی دیر سے خاموش تھی موت کے الفاظ کے ذریعہ خود کو زندہ کر رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹی اور وہاں کھڑی ہو گئی۔ اس کی چھوٹی بیٹی اس کی گود میں تھی۔ بڑی اس کی کمر سے چمٹی ہوئی تھی۔ ابوالہاشم مانی مالا کے نزدیک کھڑا تھا۔ اس نے اپنے شوہر کے ہاتھوں کو تھاما اور بولی ''زندگی کے اس رخ پر اب دوبارہ ہم کبھی بھی نہ مل سکیں گے۔''

ابوالہاشم کا سینہ پھٹ گیا۔ اس کے پورے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ اس کے پاس بیوی کو تسلی دینے کے لئے الفاظ نہ تھے۔ اسے ہاتھوں سے تھامے ہوئے اس نے سرسری دعا بڑبڑائی۔ کوئی نہیں جسے خدا نے بچایا ہو لیکن وہ جو مدح کرتا رہا۔ دیکھو! میں ایک بدراہ تھا۔

جلد ہی تمام دنیا ایک بے حس گمک سے معدوم ہو گئی۔ ابوالہاشم کو مزید کچھ معلوم نہ تھا کہ

کون کدھر بہہ گیا؟ مانی مالا نے اس کا ہاتھ سختی سے جکڑ رکھا تھا۔ جیسے ہی بھپری ہوئی طاقت ور لہروں نے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لیے دھکیلنا شروع کیا۔ اس نے مانی مالا کو ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ دونوں کیوں کر ایک دوسرے سے الگ ہوئے؟ ابوالہاشم قطعی نہیں جانتا تھا۔ جب کبھی اس نے کوشش کی کہ اس لمحہ کو اپنے احاطہ خیال میں لائے۔ ایک لفظ نے اس کے ذہن میں وجود پایا۔ قیامت، یوم آخر۔ وہ اس رات کو سوائے یوم آخر کے اور کوئی نام دے ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے اہل خانہ میں سے کسی ایک کو بھی تلاش نہ کر سکا۔ سمندر جانے کتنے فاصلے پر انہیں بہا کر لے گیا تھا؟ ان کے بے جان اجسام جانے کسی نئے جہنم میں جمع ہیں؟ کیا انہیں گدھ چٹ کر گئے؟ ان خیالات نے اس کی اذیت اور دکھ میں اور شدت پیدا کر دی۔ کیسا المیہ تھا وہ اپنے باہم گندھے ہوئے خاندان میں سے کسی ایک کو بھی نہ پا سکا۔ وہ جنہیں بڑی چاہت سے پال پوس کر بڑا کیا گیا تھا وہ ایسے غائب ہو گئے تھے کہ گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ اس کا گھر زمین پر ڈھ چکا تھا، اس کے خواب کیا ہوئے؟ کیا خوف سے دھلی ہوئی گائیں انہیں اپنے ساتھ بہا لے گئی تھیں؟ اس سب کے بجائے دو نئے افراد سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ ان میں ایک رحانم تھی اور دوسرے کے نام سے وہ ناواقف تھا۔ رحانم نے اس کا نام سکھ دیپ رکھ دیا تھا۔

اگر وہ اسے نہ ملے ہوتے تو اس کی زندگی کتنی مختلف ہوتی۔ ممکن ہے وہ پاگل ہو جاتا' شاید وہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا' برہنہ' یہاں وہاں سے چن کر گندا سندا اسے جو کچھ مل جاتا کھا کر تمام دن گزارا کرتا۔ پاگل ماٹی کی طرح جو سڑکوں بازاروں میں پھرا کرتا ہے۔ ان خیالات سے اس کی جلد جگنو کی طرح دمکنے لگی۔ اوہ! رحانم اور سکھ دیپ نے اسے خستہ حالی سے بچا لیا۔ اس میں وابستگی کے تصور کو راسخ کیا۔ وابستگی جو اسے مختلف قسم کے کاموں میں مصروف رکھتی ہے۔ کام نے اسے منہدم کرتے ہوئے دکھ سے بچا لیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اسے برابری کا پیمانہ حاصل ہوا۔ ایک حد تک ذہنی استحکام' وہ یہ جان سکا کہ آدمی تنہا اپنے ہم جنسوں کو وحشت پسندی کی طرف مراجعت سے روک سکتا ہے۔

رحانم اکثر و بیشتر پوچھا کرتی۔ بابا! ہمارا کیا بنا ہوتا اگر ہم تم سے نہ ملے ہوتے؟ ہم کہاں گئے ہوتے؟ سکھ دیپ کو اور سکھ دیپ نے ہم دونوں کو بچا لیا۔ ورنہ ہم دونوں پاگل ہو گئے ہوتے۔ رحانم کی آنکھیں شکر گزاری کے آنسوؤں سے مندھ گئیں۔ پھر وہ سر کو اثبات میں ہلاتے

ہوئے بولی۔ ہاں' یہ سچ ہے' ہم سب ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ ہم سب ایک جیسے ہیں۔

ابوالہاشم نے اس مسئلے کے بارے میں بہت سوچا تھا اس تعلق کو جاری رکھنے کا فائدہ کیا ہے؟ کیا وہ اس طرح اپنی موت تک ایک ساتھ رہ سکیں گے؟ کیا ان میں سے کوئی بھی دوسروں کو نہیں چھوڑے گا؟ ان سوچوں میں ڈوبے ہوئے اس نے پوری بیڑی کو پھونک ڈالا پھر اس بیڑی سے اس نے ایک اور بیڑی سلگائی۔ پھر رحانم اس کے نزدیک آئی اور ایک طرف کھڑی ہو کر بولی۔ بابا! اندر آؤ' کیا تم سونے نہیں جاؤ گے؟ اس سے قبل وہ برتن وغیرہ کو مانجھ کر انہیں ان کی جگہ رکھ چکی تھی۔

''اندر گرمی ہے' بہتر ہے میں یہیں پڑ رہوں۔ تم اندر جا کر سو جاؤ۔''

رحانم نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ ایک لمحہ بعد لیمپ گل ہو گیا۔ ہر جگہ خاموش تھی۔ ابوالہاشم کے کانوں میں ایک مبہم ہی کراہ تیر آئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس آواز کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ یہ وہ آواز تھی جو اس کے احساس کے اندر جاگزیں ہے اس نے اپنی توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ وہ اندازہ قائم کر سکتا تھا کہ رحانم سونے کے لیے لیٹ چکی ہو گی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گہری نیند میں ڈوب جائے گی۔ اسے بہت دور دراز سے آواز کی اس دنیا میں لایا جائے گا۔ اس نے خود کو بستر پر کس پہلو سے رکھا ہوا ہو گا؟ وہ بستر پر پشت کے بل لیٹی ہوئی ہو گی یا اس نے کروٹ لے رکھی ہو گی؟ یا وہ بستر پر اوندھی لیٹی ہوئی ہو گی؟ اس کی سانسوں کی آمدورفت کے ساتھ چھاتیاں ابھر اور ڈھلک رہی ہوں گی۔ اندھیرے میں اس کی پلکیں بند اور پُرسکون ہوں گی۔ اس بدنصیب دن بھی وہ ریت پر بکھری پڑی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نہیں اس کی نیند میں ایسا بکھراؤ نہیں ہوتا۔ کوئی بھی اس انداز میں نہیں سوتا۔ وہ ایسے خفیف انداز میں سانس لے رہی تھی کہ اس میں زندگی کی کوئی ایک رمق بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ ایسی لگ رہی تھی کہ جیسے مردہ ہو۔ وہ جس غیر فطری ڈھب سے لیٹی تھی اس سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ زندگی سے عاری ہو لیکن وہ ڈھب اہم نہیں تھا۔ اہمیت اس بات کی تھی کہ کیا وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے۔ اس دن اس کا تمام جسم ایسا بے جان تھا کہ اس میں زندگی کی کوئی علامت ہی نہ دکھائی دیتی تھی۔

ابوالہاشم نے بیڑی کا ایک گہرا کش لیا' بیل نے صحن میں اپنے سائے بانٹنے شروع کر دیئے تھے۔ سائے کی آڑی ترچھی لکیریں پُرکشش منظر تخلیق کر رہی تھیں۔ جب اس نے اس کو غور

سے دیکھا تو وہ لکیریں اسے رحانم کا نقش محسوس ہوئیں۔ آفت کے اس دن بھی جب اس کے حواس بحال ہوئے تھے اس نے اسی قسم کا ایک عکس دیکھا تھا۔ رحانم ایک تصویر کی طرح کروٹ سے لیٹی ہوئی تھی۔ ابوالہاشم نے اس پر نظر ڈالنی شروع کی اور اس سے قبل کہ وہ خود کو مجتمع کر سکتا اس نے دیکھا کہ وہ تیکھے نقوش کی ایک جوان عورت تھی۔ زندگی سے عاری' ایک بے حرکت بدن' وہاں قریب کوئی اور نہ تھا۔ سمندر قطعی خاموش' طوفان سے عاری اور پُرسکون تھا۔ آسمان نکھرا ہوا' بارش اور بادلوں سے خالی تھا۔ اس کے تصور میں گھرا ابھرا جہاں ایسی پُرسکون' پُر لطف قسم کی زندگی جنم لے چکی تھی۔

وہ اٹھا اور اس نے چلنا شروع کر دیا۔ اس نے ادھر ادھر پھر کر تمام علاقے کا معائنہ کیا۔ اس نے ریت پر بہت سی گھریلو اشیاء پڑی دیکھیں۔ اس نے ایک ساڑھی اٹھائی اور اسے رحانم پر پھینک دیا۔ وہ اسے مردہ دکھائی دیتی تھی۔ لوگ پورے علاقہ میں مکمل بے ترتیبی کی حالت میں بکھرے پڑے تھے۔ یہ سمجھنا مشکل تھا کہ ان میں کون مردہ ہے اور کون حواس کھوئے پڑا ہے۔ لیکن وہ رحانم کے لئے رنج کیوں محسوس کر رہا ہے؟ اگر وہ واقعی مردہ تھی تو اس میں دکھی ہونے کا کیا محل تھا؟ وہ اسے ڈھانپنے پر مجبور کیوں ہوا؟ وہاں کبھی کبھار ہی ایسا وقت آیا تھا جو اس سے زیادہ کڑا ہو۔ زندگی اپنے جوڑوں سے نکلی ہوئی تھی اور ہر طرف بدنظمی اور افراتفری کی حکمرانی تھی۔ لوگوں کی وحشیانہ گریہ وزاری میں برباد ہو جانے کا ایک تباہ کن تاثر تھا۔ پھر بھی انسان کی قرابت داری کا فطری تصور ہر جگہ نظر آتا تھا۔ آدمی اکیلا اپنے ہم جنسوں کو شرمندگی سے بچا سکتا ہے اور ان کی عزت کا تحفظ کر سکتا ہے۔ ساڑھی سے ڈھکی رحانم کو دیکھ کر اس کے سینے میں غیظ وغضب کا ایک طوفان جاگ اٹھا۔ دراصل رحانم تو محض ایک علامت تھی جس نے اس کے ذہن میں غیر یکساں شدت سے مانی مالا کا تصور ابھار دیا تھا۔ اس کی بے چین نظریں مانی مالا کی تلاش میں پورے منظر پر ڈول رہی تھیں۔ اسے ایک معاون کی ضرورت تھی جو مانی مالا کے دکھ پر گرفت رکھنے میں اس کی معاونت کر سکے۔ جو تباہی کی اس گھڑی میں اسے زندہ برقرار رکھ سکے۔

اس کی تمام کوششیں اکارت گئیں۔ اپنی آنکھوں سے اس تمام علاقے کو چھانتے ہوئے وہ اس بات کا یقین کر لینا چاہتا تھا کہ کہیں مانی مالا بھی اسی برہنگی کی حالت میں تو نہیں پڑی ہے۔ کہیں گدھ اس کے مردہ جسم کو کھا تو نہیں رہے؟ یا کوئی اس کے برہنہ بدن کو ڈھانپ تو نہیں رہا جیسا اس

نے رحانم کے ساتھ کیا تھا؟ اس خیال نے اسے شکستہ دلی سے کی گئی آہ وزاری میں مبتلا کر دیا۔

وہ بہت دیر تک اپنا سر گھٹنوں پہ رکھے سسکیاں بھرتا رہا اور پھر پرسکون ہو گیا۔ ساحل پر سوائے سمندر کی چنگھاڑ کے کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کہیں کسی چڑیا کی چہکار بھی نہیں سنی جا سکتی تھی۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا اس کے گھٹنے جھکے ہوئے تھے۔ اس کے پیٹ میں بھوک سے شدید دکھن ہو رہی تھی۔ اس کا حلق خشک تھا۔ بعد میں وہ مانی مالا کی تلاش میں جہاں تک خود کو سنبھالے جا سکتا تھا گیا' لیکن نہیں' وہاں کوئی نہ تھا۔ ان میں سے کسی کا کوئی نشان نہ تھا۔ کوئی قمیض' نہ ہی کوئی لنگی' نہ ہی کوئی مردہ گائے' نہ ہی کوئی بطخ کہیں ملی۔ اس نے ان نعشوں کو بھی پلٹ کر دیکھا جو منہ اوندھائے پڑیں تھیں تاکہ اس بات کا یقین رہے کہ اس سے ان میں سے کسی کی شناخت میں کوئی چوک نہیں ہوئی۔ وہ مایوس ہے خود کو تھکا ہوا محسوس کر رہا ہے۔ اس نے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کیا اور لمبی لمبی سانسیں لینا شروع کر دیں۔ وہ انچ انچ کر کے بلند اور سوکھی ہوئی زمین کی طرف بڑھا۔ اس نے انسانی اجسام کو درختوں کی شاخوں میں الجھا ہوا دیکھا۔ وہ وہاں جھول رہے تھے ان کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور پیروں پر گرہے پیپ پڑے زخم تھے۔ وہ یہ بھیانک مناظر برداشت نہیں کر سکتا تھا جن کے دیکھنے سے اس کے رونگھٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ اس نے اپنی نظریں وہاں سے ہٹا کر آنکھوں کو بند کر لیا لیکن وہ کتنی بار ان ہولناک مناظر کو نظرانداز کرنے کی کوشش کر سکتا تھا؟ اپنے بالکل سامنے اس نے تین بچیوں کی نعشیں دیکھیں جو درختوں کی نوکیلی شاخوں میں پیوست تھیں جیسے انہیں مچھلی کی طرح برچھی چھید کر پکڑا گیا ہو۔ وہاں ایسے اور بھی کئی مناظر تھے کراہٹ آمیز اور دہلا دینے والے لیکن ابوالہاشم ان کو دیکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان نظاروں نے اسے بے حد مکدر کر دیا تھا اور وہ اندر سے چکنا چور ہو گیا تھا۔ اس کے دماغ میں ایک نیا طوفان سر اٹھاتا محسوس ہو رہا تھا اس کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا اور اس کی وسعت بڑھ رہی تھی اور وہ اس کی ذہن کی دنیا میں چھاتا جا رہا تھا۔ ہر چیز کو اتھل پتھل کرتا ہوا وہ تبدیل ہونے کا آغاز کر چکا تھا جیسے سانپ اپنی کینچلی بدلتا ہے۔

ابوالہاشم بہ مشکل خود پر قابو رکھ پاتا۔ وہ سمجھ جاتا کہ ایک تباہ کن کڑا عمل شروع ہو چکا ہے جو بوڑھے ابوالہاشم کو تیزی سے فنا کی طرف لے جا رہا ہے۔ ایک بار وہ پھر مڑا۔ اس نے سمندر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں آ چکا ہے۔ وہ مشرق کی طرف جائے یا

مغرب کی طرف بڑھے؟ اس کا گھر کہاں تھا؟ مشرق میں یا مغرب میں؟ اسے ایک تباہ حال ٹرالر نظر آیا اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اس کا سر ٹرالر کی دیوار سے ٹکا ہوا تھا' وہ دیکھ سکتا تھا کہ طوفانی لہروں کا بہاؤ شروع ہو چکا ہے اور اس کی طرف بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔

وقت کہ کسی مخصوص نقطے پر' دن رات میں ضم ہونے کے عمل کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ نہیں' وہ خوف زدہ نہیں ہے' یہ مناظر اب مجھے مزید دہشت زدہ نہیں کر سکتے۔ وہ انہیں ایک حقیقت کے طور پر قبول کر لے گا' اس کے بعد اس کے دل میں کوئی خوف پیدا نہ ہوگا۔ یہ تصور جسے وہ اپنے اندرون میں گردش دے رہا تھا اس کے خوف کو روکے رکھنے میں اس کا معاون تھا۔ تباہ حال ٹرالر پر بیٹھے ہوئے اس نے کوشش کی کہ اپنی توجہ گاتے ہوئے پرندوں کی طرف منتقل کر سکے لیکن پرندے کی چہچہاہٹ کے بجائے اس کے کانوں میں انسان کے کراہنے کی آوازیں پہنچیں۔ اس لمحہ تک اس نے اس پر توجہ نہیں دی تھی کہ ان میں سے چند جو وہاں اوندھے یا سیدھے پڑے تھے ان میں سے کچھ کو ہوش آ گیا تھا۔ جو اب تک مردہ نظر آ رہے تھے ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے اپنے کراہوں سے فضا کو مکدر کر دیا تھا۔ آہ! کیسی دل ہلا دینے والی تھیں یہ کراہیں۔ اب تک وہ مختلف اقسام کی آوازیں سنتا رہا تھا لیکن ان میں یقیناً کوئی آواز ایسی دردناک نہ تھی۔ ان آوازوں نے جو نہ تو خوش کن تھیں نہ تسلی آمیز' نہ ہی امنگیں جگانے والی تھیں۔ انہوں نے اسے کچلنا شروع کر دیا تھا۔ لگتا تھا وہ زیر زمین دنیا اور روحانی مسرتوں کو چھیدتی ہوئی اس تک پہنچ رہی ہیں۔ کیا انسانی ذہن دل شکستگی کے اتنے بسیط سمندر کو سہار سکتا ہے؟ ابوالہاشم نے اس سے قبل کبھی بھی اس طرح کی آہ و بکا نہیں سنی تھی۔ وہ اس گریہ وزاری سے مفلوج سا ہو گیا اور ایک بار پھر اپنے حواس کھو بیٹھا۔ وہ جگہ جس سے وہ ایک صبح مانوس ہوا تھا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی جب دوپہر کو اس کے ہوش وحواس بحال ہوئے تو اس نے انتہائی حیرت سے دیکھا کہ رحانم اس کے پیروں کے قریب دبکی پڑی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' وہ بدحواسی اور بکھری ہوئی نظر آتی تھی۔ ابوالہاشم کانپتا ہوا اٹھ بیٹھا وہ اس کے جسم کو ایسے متوحش انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے اس نے بھوت دیکھ لیا ہو۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ رحانم اس کے نزدیک کیوں بیٹھی ہے۔ اس نے وہی ساڑھی پہن رکھی تھی جس سے اس نے اسے ڈھانپا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ فوت ہو چکی ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ کس سمت دیکھ رہی ہے۔ اس کے باوجود کہ ابوالہاشم انتہائی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ اس

MashalBooks.org

کے حواس پوری طرح چوکس تھے لیکن رحانم نے اسے یہ تاثر دیا کہ وہ نارمل حالت میں نہیں ہے۔ وہ مخبوط الحواس لگ رہی تھی۔ ابوالہاشم نے نرمی سے اسے آواز دی۔ ما......او ما؟ کوئی جواب نہیں۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ وہ فاصلے پر بہتے ہوئے سمندر کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی جیسے کہ وہ خود کو اندر سے کچھ کر گزرنے کے لیے آمادہ کر رہی ہو۔ وہ یا تو خود کو پوری طرح تباہ یا تعمیر کر لے گی یا اسٹیل کی طرح سخت ہو جائے گی۔ وہ اوقات جب چیزیں ایک دوسرے سے الگ ہو رہی ہوں شاید سب سے زیادہ مشکل اوقات ہوا کرتے ہیں۔ جب انسان سخت وقت گزار رہا ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد کی کس عظیم الشان۔ کسی معمولی چیز کا کوئی اثر نہ لے وہ چیز اس کے ذہن کا حصہ نہ بن سکے۔ مثال کے طور پر جیسے سمندر یا آسمان۔ ابوالہاشم نے اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالنے کی خواہش محسوس کی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں لڑکی پتھر کی تو نہیں ہوگئی، زمین کا حصہ تو نہیں بن گئی یا اب بھی زندہ ہے لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ واقعی خوف زدہ تھا لیکن بہرحال وہ ادراک کر سکتا تھا کہ اس کی بیزاری رحانم کے باعث ختم ہو رہی ہے۔ وہ بہتر محسوس کر رہا تھا ابھی کچھ ہی دیر قبل اس نے چڑیوں کی چہکار کی سی گنگناتی ہوئی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔ اسے واقعی بہت اچھا لگا تھا۔

اس نے ایک بار پھر اس سے نرمی سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے' ما؟''

رحانم نے جواب نہیں دیا' اس نے محض اس کی طرف دیکھا۔ ابوالہاشم کو لگا جیسے لڑکی ٹرالر کو جائے پناہ کے طور پر استعمال کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ بالکل کسی جھونپڑی یا پیڑ کے سائے کی طرح۔ پھر وہ کچھ بڑبڑائی جسے ابوالہاشم سمجھ نہ سکا۔ لیکن وہ لڑکی کو اتنی حیرت سے دیکھنے میں منہمک تھا کہ اب تک ایک پریشان خیالی میں غلطاں تھا۔ کیا یہ لڑکی، جو لگتا تھا مر چکی ہے اب تک زندہ ہے؟ وہ اونچی آواز میں کیوں نہیں بول رہی؟ وہ رو پیٹ کیوں نہیں رہی؟ رونے پیٹنے کے تصور سے اس میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ اس نے کمزور سی آواز میں رحانم سے پوچھا۔ ما! تم کس جگہ سے آئی ہو؟

اس بار بھی رحانم نے کوئی جواب نہ دیا' اس کا ذہن پوری طرح خالی تھا۔ اس نے کوئی بار اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور پھر انہیں اپنی زانوں پر رکھ لیا۔ ابوالہاشم کے اندر ہی اندر ایک خیال نے جڑیں پکڑنی شروع کر دیں۔ لڑکی بات کیوں نہیں کر رہی تھی؟ وہ اپنا منہ کیوں نہیں کھول رہی؟ اس

نے پھر اس سے سوال کیا لیکن وہ پھر بھی پُرسکون انداز میں خاموش ہی رہی۔

اس کے بعد اس نے اسے مخاطب کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ وہ ٹرالر سے اتر آیا۔ چند قدم آگے بڑھا لیکن رحانم کو اپنے پیچھے چھوڑ کر وہ زیادہ دور نہ جا سکا۔ وہ پلٹا اور ٹرالر کے نزدیک بیٹھ کر ستانے لگا۔ اس نے ایک بے کس کے غصے کے انداز میں سمندر پر نظریں جما رکھی تھیں۔ یہ سمندر کے اترنے کا وقت تھا' پانی ایک لے کے سے انداز میں تیزی سے پیچھے کی طرف پلٹ رہا تھا۔ ابوالہاشم کے خیالات آہستہ آہستہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اب ذہنی طور پر الجھا ہوا نہ تھا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ صورت حال کی اصل نوعیت کو سمجھ سکے۔ وہ طے نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے کس قسم کے اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ لڑکی اپنے ہاتھوں کو کیوں بار بار پھیلا رہی تھی؟ وہ کسے تلاش کر رہی تھی؟ اس کا تعلق کس گاؤں سے ہے؟ اس کا باپ کون تھا؟ اس کا شوہر کیا کرتا تھا؟ اس سے سوالات کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ وہ کوئی جواب ہی نہیں دیتی' وہ کتنی غم زدہ نظر آتی ہے۔ لڑکی کے بارے میں اس کی کرید نے اس کے خیالات کا رخ اس کے اپنے خاندان کی طرف پھیر دیا۔ وہ ان سب کے بارے میں حد سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے آنسو امڈ آئے' اس نے غیر شعوری طور پر سسکیاں لینی شروع کر دیں۔

رحانم نے ابوالہاشم کی سسکیوں کی آواز پر اس کی طرف کروٹ بدلی۔ اس کی آنکھیں چوکس تھیں۔ وہ شخص جو اتنی دیر سے بے حرکت اور غیر متحرک بیٹھا تھا لگتا تھا کہ ایک بار پھر زندگی کی طرف پوری معنویت کے ساتھ لوٹ آیا ہے۔ ابوالہاشم اب اس کی آنکھوں کی زبان پڑھ سکتا ہے۔ اس نے ابوالہاشم کی طرف دیکھا اور اپنی گردن کو ہلایا۔ وہ بڑبڑائی' نہیں۔ مانو! نہیں' مت رو' پیارے گڈو مت رو۔

ابوالہاشم نے اپنی لنگی کے کونے سے اپنے آنسو صاف کئے۔ پھر رحانم نے آہستگی سے اپنے سوال کو ترتیب دیا۔ تم کیوں رو رہے ہو؟

''تم یہ بتاؤ تم کیوں رو رہیں تھیں؟''

''میرا گڈو؟ میرا گڈو کہاں ہے؟ اوہ میری ماں!''

آخرکار رحانم بلند آواز میں سسکیاں لے کر رونے لگی۔ اس نے فریاد کرنی شروع کی۔ آہ میرے گڈو' تم اب کہاں ہو؟ تم تو میرے سینے سے سختی سے بندھے ہوئے تھے، آہ......اوہ......!

MashalBooks.org

رحانم جس انداز سے سسکیاں بھر رہی تھی وہ خالصتاً اس کا اپنا ہی تھا۔ اس کی آہ وزاری کی آواز میں ایک گونج دار لٹک اور معتدل سطح پر اتار چڑھاؤ تھا۔ ابوالہاشم اس کی سسکیوں کو گہری محویت کے عالم میں سن رہا تھا۔ سننے کا یہ عمل اس کے لیے ایک قطعی تازہ تجربہ تھا۔ اس سے قبل اس نے کسی شخص کو اس طرح آہ و بکا کرتے نہیں سنا تھا۔ یہ بھی تھا کہ اس سے قبل اس کا اس قسم کے خوف ناک واقعہ سے بھی کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ وہ کیسے جان سکتا تھا کہ انسان اس حیران کن انداز میں بھی روتے ہوئے آوازیں نکال سکتا ہے۔ کیا ہم خود کبھی اپنی سسکیوں کو اس توجہ سے سن سکتے ہیں؟ اگر ہم ایسا کریں تو ہم محسوس کریں گے کہ ہماری گریہ وزاری کی آواز کا اتار چڑھاؤ کس قدر دلسوز ہوسکتا ہے۔ اگر ہم ان آوازوں پر توجہ دیں تو شاید ہم سمجھ سکیں کہ ہمارے دلوں کا خالی پن کس قدر تکلیف دہ ہوسکتا ہے۔ لامحالہ اس کے خیالات مانی مالا کی طرف منتقل ہو گئے۔ مانی مالا کہاں ہے؟ کیا وہ بھی کہیں بیٹھی اس لڑکی کی طرح آہ وزاری کر رہی ہوگی؟ ماضی میں ابوالہاشم کو کبھی بھی مانی مالا کو ماتم کرتے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کیا وہ خود کو اس سلسلے میں خوش نصیب خیال کرتا تھا؟ ہاں خوش قسمت، یقیناً بے حد خوش قسمت۔ یہ ہی سبب تھا کہ وہ اس قسم کی آہ وزاری سننے کو ناپسند کرتا تھا۔ رحانم کی سسکیاں جاری تھیں، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چل پڑا کسی ایسے مقام کی طرف جوان سسکیوں کی آواز سے بہت دور ہو۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر دی، پھر رحانم اس کے پیچھے دوڑی۔ اونچی آواز میں روتی ہوئی۔ ''بابا! تم کہاں جا رہے ہو؟ کیا میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں؟''

ابوالہاشم ٹھہر گیا اور کسی مجسمے کی طرح کھڑا ہو گیا۔ کون اپنے بابا کو اتنی شدت سے پکار رہا ہے؟ یہ لڑکی یقیناً اس کی بیٹی نہیں ہے، پھر وہ کون تھی؟ اسے کیسے کوئی شکل دی جاسکتی ہے؟ ابوالہاشم نے اس کے لیے شدید اپنائیت محسوس کرتے ہوئے رحانم کو ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس وقت تک وہ بسورنا موقوف کر چکی تھی۔ وہ بتدریج اپنی ہچکیوں پر قابو پا چکی تھی۔ اس کی آنکھیں پرسکون اور صاف ہوچکی تھیں، اب وہ ایک نارمل عورت دکھائی دیتی تھی۔

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ابوالہاشم نے کہا: ''ما! میں خود نہیں جانتا کہ میں کہاں جاؤں گا، ٹھیک ہے، چلو ہم ساتھ چلے ہیں۔''

سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا، افق اس کی شعاعوں سے سرخی مائل ہو رہا تھا۔ سمندر کی لہریں اب بھی اتر رہی تھیں جیسے یہ فیصلہ نہ کر پا رہی ہوں کہ انہیں کس سمت کی طرف جانا

چاہیئے ۔انہوں نے مغرب کی سمت چلنا شروع کر دیا۔انہوں نے سوچا یقیناً وہاں لوگ رہتے ہوں گے وہاں گھر ہوں گے جس سمت سے روشنی آ رہی ہے۔انہیں کتنی دور جانا ہوگا؟ وہ اس قدر بھوکے تھے اتنے تھکے ہوئے تھے کہ بہ مشکل چل پا رہے تھے۔اس کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ٹھہریں گے نہیں ۔انہوں نے کتنا فاصلہ طے کرلیا، وہ کہاں جائیں گے، انہیں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ دوپہر تقریباً گزر چکی تھی ،سورج کی آخری شعاعیں سمندر پر لہرا رہی تھیں ۔وہ دیکھ سکتے تھے کہ ایک اور تباہ حال ٹرالر کچھ فاصلہ پر اوراوپر کی طرف پڑا ہوا تھا۔ رحانم نے ابوالہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''بابا! میں مزید نہیں چل سکتی۔''

ابوالہاشم نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا اس کا بھی یہ ہی حال ہے۔''میں بہ مشکل اپنے قدم اٹھا پا رہا ہوں۔''

''آؤ! اس ٹرالر کے قریب بیٹھے ہیں، چلو وہاں چلتے ہیں۔''

رحانم کی آواز میں دلچسپی سے معمور ایک نیا لہجہ دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ کسی حد تک اپنی قوت بحال کر چکی تھی ۔اس میں اپنی بقا کا احساس شدت پکڑ رہا تھا۔اس لمحہ کی شدید تر ضرورت ایک سائبان تھی ۔اسے ایک باپ مل چکا تھا، اس کی بقا کے امکانات روشن تھے۔اگر اسے اپنے سر کے اوپر ایک چھت مل جاتی اس لمحہ اپنی ذات کے تحفظ کے سوا اس کے ذہن میں اور کچھ بھی نہ تھا۔ ابوالہاشم دیکھ رہا تھا کہ اس کی جواں سالی نے اس کی توانائی کو تازہ کر دیا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ رحانم ریت پر مضبوط قدموں سے چل رہی تھی ۔ابوالہاشم اس سے ذرا پیچھے رہ گیا۔ وہ اس قدر تھکا ہوا تھا کہ مشکل ہی سے اس کی رفتار کا ساتھ دے سکتا تھا۔

وہ جیسے ہی ٹرالر کے نزدیک پہنچے انہیں ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ یہ قطعی ناقابل یقین تھا، یہ کیوں کر ممکن تھا؟ رحانم حد سے بڑھ کر حیران تھی ۔اس کے بدن میں ایک کپکپی دوڑ گئی ۔وہ ایکا ایکی ٹھہر گئی اور ابوالہاشم کی طرف دیکھا لیکن یہ ایک ثانیہ کی بات تھی پھر وہ اس طرف کو دوڑی جہاں سے یہ آواز آ رہی تھی ۔ کچھ دیر بعد وہ یک لخت رک گئی ۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ جسمانی مشقت کے باعث اس کی چھاتیوں سے دودھ چھلکا پڑ رہا تھا اور اس کی ساڑھی گیلی ہوگئی تھی ۔اس منظر نے اس کے احساسات کو مزید ناقابل گرفت بنا دیا تھا۔ وہ ٹوٹے ہوئے ٹرالر کی طرف لپکی اور اس کے قریب کھڑے ہوگئی ۔ بچہ ٹرالر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔اس کی عمر تقریباً دو برس

تھی۔ وہ کیسے اس ساری ہلاکت خیزی سے بچارہ گیا؟ وہ لڑکھراتی ہوئی بچے کے قریب گئی اور اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ خدا کی رحمت کا ایک لمحہ ہے۔ اسے اس بات کا یقین سا آ گیا تھا کہ یہ بچہ اس تباہ کن حادثہ میں محض اس کی خاطر محفوظ رہ سکا ہے۔ یہ معجزہ واقعتاً ناقابل یقین تھا۔ یک تشکر کے احساس سے وہ مغلوب تھی۔ اس کے اندر کا ہیجان سمندری جوار بھاٹے سے زیادہ تند تھا۔ اس نے بچے کو نہایت نرمی سے اپنے سینے سے چمٹالیا اور اسے پیار سے تھپکنے لگی۔ وہ تین ماہ قبل ہی ماں بنی تھی اور وہ بچہ اس کی پہلی زچگی تھی۔

بچہ دیوانگی کے سے عالم میں اس کی چھاتی پر منہ مارنے لگا۔ اس کی چھاتیوں کا دودھ بہہ نکلنے کے لیے نکاسی کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا سیال جو باہر آیا تھا کافی نہ تھا۔ اسے بہت بڑی مقدار میں باہر آنے کی ضرورت تھی۔ بچہ بے قابو ہورہا تھا۔ اسے پناہ گاہ اور غذا کی ضرورت تھی۔ حالانکہ اسے سوائے رونے کے کوئی اور زبان نہ آتی تھی لیکن اس نے رونا بھی بند کردیا تھا۔ ایک موقع پر اس نے رحانم کی گردن میں دونوں ہاتھوں سے چھپی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ ایک اور بار اس نے رحانم کے کندھوں کو چھوا اور اپنے گال اس کے گالوں سے رگڑے۔ وہ الجھا ہوا تھا لیکن اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اندھوں کی طرح اس کے جسم کے ایک مخصوص حصے تک پہنچنے کے لیے کوشاں تھے۔ اسے اس کے سینے کی تلاش تھی۔ وہ ماں کے دودھ کے ذائقہ سے مانوس تھا جسے اس کی زبان بے صبری سے تلاش کررہی تھی لیکن اسے وہ نہ مل رہا تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ کوئی اس کی مدد کو نہ آیا جو وہ چاہتا تھا اسے حاصل کرنے میں ناکام تھا۔ جس کی اسے تلاش تھی۔ کوئی اس کی مدد کو نہ آیا جو وہ چاہتا تھا اسے حاصل کرنے میں ناکام تھا۔ اس نے ایک بار پھر رونا شروع کردیا۔ اس کی چیخیں جیسے رحانم کو بہرا کیئے دے رہی تھیں۔ اس نے خود کو قصوروار محسوس کیا۔ بچے کو کیوں غیر ضروری طور پر تکلیف میں رکھا جائے؟ اس نے بچے کو اپنے کاندھے سے لگایا اور اسے تھپکنا شروع کردیا لیکن بچے نے بہلنے سے انکار کردیا۔ اس نے رونا جاری رکھا۔ وہ ہوا میں ہاتھ پیر مار کر اس کی گود سے اترنے کی کوشش کررہا تھا۔

بعد میں رحانم ٹرالر میں آرام کرنے کے لیے اس کی اکھڑے ہوئے تختوں پر بیٹھ گئی اور اپنے پیر بھی پھیلا دیئے۔ بچہ اس کی گود میں تھا۔ ابوالہاشم کچھ فاصلہ سے ان کی سمت آرہا تھا۔ وہ اتنا تیز نہ چل سکتا تھا جتنی تیزی سے رحانم چل کر وہاں آ گئی تھی۔ اگر وہ دوڑتا تو اسے اپنا دم گھٹتا

محسوس ہوتا۔عمر اس پر غلبہ پا چکی تھی۔ رحانم واقف تھی کہ ابوالہاشم ان کی طرف آ رہا ہے لیکن وہ اس کا پورا ہیولا دیکھنے سے قاصر تھی۔ تاریکی ہر طرف چھا چکی تھی۔ رحانم نے اپنا کپڑا ہٹایا اور بچے کا منہ اپنا چھاتی سے لگا دیا۔

یہ لطف کیسا مسرور کن تھا! شام کو دھندلاتے ہوئے اندھیرے کا حسن کس قدر ناقابل قیاس تھا۔ رحانم اپنی آنکھیں پھیلائے ہوئے اس کا نظارہ کرتی رہی، دور فاصلے پر جنگل کے درختوں کی چوٹیوں پر گرتی ہوئی تاریکی، قطعاً غیر واضح نہ تھی۔ اس کے بجائے یہ قدرے دبیز تھی۔ رحانم روشنی کی ایک کرن کا ادراک کر سکتی تھی جو پتوں میں سے چھن کر آ رہی تھی۔ جو شاخوں سے ہوتی ہوئی تنوں سے گزر کر جڑوں تک پہنچ رہی تھی۔ رحانم اپنی آنکھیں جھپک سکی نہ ہی پلکیں جھپکا سکی۔ اس کے اندر ایک خواب کروٹیں لینے لگا۔ اس خواب کے دل میں روشنی کا ایک دریا اڑتا ہوا اور آیا۔ ایک خیال اس کے تصور میں ایک گھر کو لے آیا جو اس تباہی اور کائناتی طوفان کے بعد اس کا ہوگا۔ اب وہ حسرت کے اس احساس کے ساتھ تحمل سے لیٹ سکتی ہے۔

اس الوہی اور معجزاتی منظر سے آہستگی سے باہر آیا ہوا ابوالہاشم اب صاف نظر آ رہا تھا۔ رحانم کی برہنہ چھاتی سے ایک بچہ چمٹا ہوا تھا۔ وہ پوری طرح بچے کی طرف متوجہ تھی۔ اس کی توجہ کسی بھی اور چیز کی طرف نہیں تھی، دنیا اس کی نظروں سے پوری طور پر غائب ہو چکی تھی۔ گزشتہ رات کے سمندری طوفان سے ہونے والی بربادی اس کی نظر میں اب کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔ اب اس کے لیے سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک عورت تھی اور قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ یہ ذمہ داری کہ بچوں کی زندگی کی دیکھ بھال کرے پوری کر رہی تھی۔

اس منظر نے ابوالہاشم کو انتہائی خوشی سے بھر دیا۔ وہ مسرت کے لامحدود احساس سے معمور تھا۔ ان کے پہلے بچے کی پیدائش کے بعد مانی مالا بھی ایسی ہی نظر آتی تھی۔ زندگی دینے والی خصلت کا مرقع۔ بغیر اس کا خیال کیے کہ کس کی نشوونما کی جا رہی ہے۔ زندگی کے اس تسلسل کے ساتھ انسانی زندگی یک لخت ختم ہو جائے گی۔ تاریکی کے باعث رحانم کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے باوجود اس کا اندازہ یہ ہی تھا کہ اس کا چہرہ روشنی سے منور ہو رہا ہوگا۔ ایسے موقع پر وہ مانی مالا کا چہرہ دیکھنے کا دلدادہ تھا۔ اس کے لیے اس میں ایک نادر تازگی ہوتی۔ اس کا روشن بدن نرم روشنی میں دمکنے لگتا۔ مانی مالا شرماتے ہوئے اس سے پوچھتی "تم اس طرح میری طرف کیوں دیکھ

رہے ہو؟''

ابوالہاشم اپنے سر کا ہلاتے ہوئے کہا کرتا'' مجھے نہیں معلوم کہ کیوں۔''

یہ الفاظ خود اس کے لیے واضح نہ ہوتے جب ابوالہاشم خالی الذہنی سے سر ہلایا کرتا۔ مانی مالا اپنے بچے کو ساڑھی کے پلو سے ڈھانپ لیا کرتی۔ کہا کرتی ممکن ہے اگر تم اسے اسی طرح دیکھتے رہو تو یہ بچے کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔

ان الفاظ کو سن کر ابوالہاشم شرمندہ ہو جایا کرتا اور ماں اور بچے سے کسی ملزم کی طرح دور ہو جاتا۔ جب اسے یہ الفاظ یاد آئے تو وہ تباہ حال ٹرالر کی دوسری سمت چلا گیا۔ وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ ان کی طرف دیکھ کر وہ مزید انتشار اور خلل کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے جذباتی انداز میں توقع قائم کی۔ یہ بلند و بالا توقعات اور خوف کا وقت تھا ہر ایک نئی زندگی کے کنارے پر کھڑا تھا۔ ابوالہاشم کی کھوپڑی میں سیلاب، زرخیز مٹی چھوڑ گیا تھا۔ جیسے کہ اس نے کہا۔ خدا تمہارے محافظ الوداع۔ وہ اس لمحے کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔

جب ابوالہاشم دوسری طرف پہنچا تو اس نے ناریل کی جوڑی کو ٹرالر کے چھید میں پھنسا ہوا دیکھا ناریل دیکھ کر اسے خوشی ہوئی۔ انہیں غذا اور پانی کی ضرورت تھی کیونکہ وہ جسمانی لحاظ سے نچڑ چکے تھے۔ اس نے ناریلوں کو ٹرالر کی دیوار پر زور زور سے مار کر توڑ دیا۔ ان میں سے ایک ناریل کو کچل کر اس نے گودے کے کچھ ٹکڑے باہر نکالے اور انہیں رحانم کو پکڑا دیا۔ انہیں پکڑو۔ ما! انہیں کھالو۔

''اوہ! میں کس قدر بھوکی ہوں۔ اگر تم نہ ہوتے بابا تو مجھے کس نے کھانا دیا ہوتا۔''

وہ اس کی ممنونیت سے نہایت متاثر ہو رہا تھا۔ بغیر اسے کوئی جواب دیئے وہ اسے ایک کے بعد ایک ناریل کے ٹکڑے دیتا رہا اور وہ انہیں چبا چبا کر کھاتی رہی۔ انہوں نے ناریل کی اس جوڑی کو کھانے میں خاصا وقت لگایا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد بچہ اپنی نئی ماں کی گود میں سو رہا تھا۔ اسے ایک محفوظ اور آرام دے سائبان حاصل ہو گیا تھا۔ ابوالہاشم ٹرالر کے لکڑی کے فرش پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی اس کے سر کے اوپر آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ پورا آسمان لاتعداد ستاروں سے ڈھکا ہوا تھا جو ابتداء سحر کے چنبیلی کے مہکتے ہوئے سفید تازہ پھولوں کے رنگ کے نظر آ رہے تھے۔

اس کا حافظہ اپنے بچپن میں چنبیلی کے پھول توڑنے کے پرلطف تجربے سے بھرا ہوا تھا۔ وہ دن آج بھی ستاروں کی طرح اس کی یاداشت میں چمک رہے تھے۔ وہ دن کبھی بھی فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ وقت کی رفتار نے انہیں چھپا دیا ہے، وقت گزرتا رہتا ہے اور یہ وہ طریقہ ہے جس سے زندگی آگے بڑھتی ہے۔ اس نے نہایت نرمی سے رحانم کو پکارا۔ ''رحانم! اوما'' کوئی جواب نہیں، شاید وہ سو گئی تھی اس نے ٹرالر کی دیوار سے سر ٹکا رکھا تھا۔ ابوالہاشم اس سے اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ واقعی یہ جاننے میں بے حد دلچسپی رکھتا تھا کہ وقت نے اس سے کیا سلوک کیا لیکن نہیں۔ وہ اسے جگانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ واقعی حیران تھا کہ لڑکی کتنے فطری طریقے سے اس کے قریب آ گئی تھی۔ کتنے فطری انداز میں وہ بچے سے ایک ماں کا سا برتاؤ کر رہی تھی۔ ہر چیز زندگی کے اس جاری عمل کا ایک غیر منقسم حصہ ہے جس میں سے کچھ بھی کم نہیں۔ ہوسکتا وقت کے دھارے میں وہ تمام دن آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ صرف زندگی کی ناگہانی صورتحال انسان میں قدرے تبدیلی لا سکتی ہے۔ اپنی نیند سے محرومی کی اس کیفیت میں ابوالہاشم نے آسمان پر ان ستاروں پر نظر دوڑائی۔ تاروں کا جھرمٹ، ودھیا راستہ، کہکشاں، لامحدود کائنات، اس نے سوچا اس میں کیسی عظیم تبدیلی آ چکی ہے۔ وہ طرز زندگی جس کا وہ اتنے عرصے تک عادی رہا اب اپنا وجود کھو چکی اور اس کی جگہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ ہیں زندگی کے وہ حقائق جو ایک آدمی سے دوسرے میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

تو یہ تھا وہ طریقہ جس سے تین افراد نے ایک ساتھ رہنا شروع کیا اور ایک نئے گھر کو تعمیر کیا۔

2

ابھی تک اندھیرا ہی تھا۔ رحانم خاموشی اور نرم روی سے چلتی ہوئی ساحل پر آئی اور وہاں آ کر کھڑی ہوگئی۔ گھر سے باہر آتے ہوئے اس نے ابوالہاشم کو گہری نیند سوتے دیکھا تھا۔ سکھ دیپ اس کی گردن میں بانہیں ڈالے اس کے ساتھ سو رہا تھا۔ اس نے خود کو سکھ دیپ سے نرمی سے علیحدہ کیا تھا اور یہاں چلی آئی تھی۔ اس نے دیوقامت موجوں کو یکے بعد دیگرے ساحل سے سر ٹکراتے دیکھا۔ ان اوقات میں ساحل پر دوڑنا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ نیند سے ایک بار بیدار ہو جانے کے بعد دوبارہ سو جانا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اسے شدید الجھن محسوس ہوتی اور وہ شدت اختیار کرتی پراگندگی کا شکار ہو جایا کرتی۔ اس ذہنی کیفیت سے چھٹکارہ پانے کے لیے وہ صبح کی پر کیف ہوا میں تیر کی طرح اڑتی ہوئی سمندر کی طرف آتی۔ یہ تیز رفتاری اس کے لیے ایک طرح کا علاج ہوا کرتی۔ دوسری صورت میں وہ شدید ہیجان کا شکار ہو جایا کرتی جو اسے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔ یہ عادت اس نے اپنی نئی زندگی کے آغاز کے ساتھ اپنائی تھی ورنہ اس سے قبل وہ کبھی بھی سمندر پر نہیں جایا کرتی تھی۔ ان کا گاؤں سمندر سے دور بہت دور تھا۔ یہاں تک کہ اگر کبھی اس کی خواہش بھی ہوتی تو وہ اس انداز میں سمندر تک نہیں آ سکتی تھی۔ زندگی کی بدلی ہوئی صورتحال میں

سمندر اس کے لیے اس قدر مانوس چیز ہو چکا تھا کہ اب اسے یہ یاد بھی نہیں تھا کہ تقریباً بیس برس قبل ایک ایسا زمانہ بھی تھا جس کے دوران وہ کبھی یہ بھی نہ جان سکی کہ سمندر کس طرح کا ہوتا ہے اور اب جبکہ سمندر اس کی زندگی سے ایک طرح کے پیچیدہ انداز میں غلط ملط ہو گیا ہے تو یہ بھی اس کے لیے ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ سمندر نے اسے ایک بے کراں اذیت ناک درد سے بچا لیا تھا۔ اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اس میں تیری اور خود کو اس کے سکون بخش لمس کے حوالے کر دیا۔

رحانم آج بھی سمندر میں قدم بہ قدم اتری لیکن اس نے ڈبکی نہیں لگائی۔ آج وہ پانی کے لمس سے جستہ جستہ لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ آج اس نے رفتہ رفتہ خود کو پانی کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ روزانہ ایک ہی انداز میں خود کو سمندر کے حوالے نہیں کیا کرتی تھی۔ پانی سے جیسے جیسے اس کا ربط بڑھتا ایک جگمگاتی سنسناہٹ بتدریج اس کے پورے بدن میں پھیلتی جاتی۔ جب وہ محض اٹھارہ برس کی تھی تو اس کی شادی کر دی گئی تھی اور بیس برس کی عمر میں وہ ماں بن گئی تھی اس سے قبل کہ وہ زندگی کے مفہوم سے پوری طرح واقف ہو سکتی۔ ہر چیز بہہ گئی تھی۔ ایک لہر اس کی گردن تک آ پہنچتی تھی۔ اگر کہیں ایک اور آ جاتی تو وہ پانی کے اندر ہوتی۔ ایک زوردار چھپاکے کے ساتھ وہ ابھر آئی۔ اگر کہیں ایک اور آ جاتی تو وہ پانی کے اندر ہوتی۔ ایک زوردار چھپاکے کے ساتھ وہ ابھر آئی۔ جب وہ گردن گردن پانی میں ہوتی تو کنارے کی طرف لوٹ آتی۔ وہ اس قدر جلد پانی میں کھو جانا نہیں چاہتی تھی۔ یہی کچھ اس کا موج میلہ تھا۔ ایک قسم کی تفریح، تقریباً ایک قسم کا جنسی لطف۔ شادی کے بعد ایک اچانک صدمہ نے اسے راتوں رات تک ایک دوسری عورت بنا ڈالا تھا۔ اسے اس صدمے سے نکلنے میں کچھ عرصہ لگا۔ اب وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھی کہ اگر کوئی عورت بیس برس کی عمر میں اپنے آدمی سے محروم ہو جائے تو وہ بھی قطعی ایسا ہی محسوس کرتی ہوگی جیسا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ دوسری عورتیں کس قسم کے احساسات رکھتی ہیں۔ اسے اس بارے میں کچھ بھی پتہ نہ تھا۔ کیا اس مختصر زندگی کی یادیں صرف اس کا اپنا انفرادی خزانہ ہے؟ محسوسات کا خزانہ؟ وہ بدبرائی۔ ''اگر ایسا ہے تو چلو ایسا ہی سہی۔ یہی سہی'' بھیگی ہوئی ساڑھی اس کے بدن سے چپکی ہوئی تھی۔ وہ اس دھندلکے میں بھی خود کو پوری وضاحت سے دیکھ سکتی تھی۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اپنا آپ نظارہ کرنا اسے ہمیشہ بہت اچھا لگتا تھا۔ کہیں بھی کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس وقت عام طور

پر یہ جگہ لوگوں سے خالی ہوا کرتی تھی۔ اس کے باوجود یہ مقام جہاں وہ خود کو پورے طور پر ظاہر کر سکتی تھی۔ اسے اتنا ہی عزیز تھا جتنا اپنے گھر کا کوئی خفیہ کونہ .... اس تصور کے ساتھ کہ یہ وسیع کھلا گردوپیش کسی اور کی ملکیت نہیں ہے۔ وہ ساحل پر جاتی اور گھٹنوں کے بل ریت پر بیٹھ جایا کرتی تاکہ وہ سنگھاڑے چن سکے جنہیں سمندر کی لہریں بہا کر یہاں لے آتی تھیں۔ ابھرتے سورج کے ساتھ بچوں کا ایک ہجوم سنگھاڑے اکٹھے کرنے کے لیے ساحل پر جمع ہو جاتا ان میں سے ہر ایک اپنی چھوٹی سی ٹوکری سنگھاڑوں سے بھر لیتا۔ رحانم بھی اپنے ساتھ ایک ٹوکری لایا کرتی۔ وہ سنگھاڑے تلاش کرتی انہیں اٹھاتی اور ایک گیت گنگنایا کرتی۔ یہ گیت جمال کو از حد پسند تھا۔ جب وہ اندھیرے میں تالاب کے کنارے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوتے تو جمال اس سے یہ گیت سنانے کی فرمائش کیا کرتا۔ وہ دھیمی آواز میں یہ گیت گاتی تاکہ گھر کے دوسرے لوگ اسے نہ سن لیں۔ اس کی آواز سے متاثر ہو کر جمال کہا کرتا۔ ''تم کتنا اچھا گاتی ہو۔ میری بلبل! ایک اور گیت گاؤ۔''

''اونہہ اب اور نہیں لوگ سوچیں گے ہم برے ہیں۔''

''یہاں سوائے تمہارے میرے اس وقت کوئی بھی تو نہیں ہے۔''

اس کے باوجود بھی وہ کھل کر گانے سے جھجکتی تھی۔ اس نے کبھی بھی ایک سے زیادہ گیت نہیں گایا تھا۔ اس کے ہاتھ سنگھاڑے چننے میں مصروف تھے۔ اچانک وہ ٹھہر گئی۔ اس نے سمندر کی جانب حسرت سے تکتے ہوئے اک آہ بھری۔'' جانے اب جمال کہاں ہوگا؟

لیکن وہ زیادہ دیر اس خیال سے مغلوب نہیں رہی۔ جلد ہی وہ دوبارہ اپنی اس ذاتی دنیا میں لوٹ آئی۔ ایک بار پھر اس نے گنگنانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ہاتھ سنگھاڑے چننے میں مصروف تھے۔ رحانم کے لیے روزانہ سمندر پر آنا ممکن نہ تھا۔ وہ کبھی کبھار ہی ادھر کا رخ کرتی تھی۔ خاص طور سے اس وقت جب رنگ برنگی مچھلی اس کو کھوپڑی میں در آتی۔ اپنے گلپھڑے پھیلائے۔ یہ اس کے لیے آسان نہ تھا لیکن وہ پھر بھی یہاں آتی تھی۔ یہ دراصل اس کے لیے خود کو دریافت کرنے کا ایک موقع ہوا کرتا۔ وہ وہاں آنے سے بہ مشکل ہی خود کو باز رکھ پاتی۔ صبح کی کنواری روشنی میں جب ایک جوان عورت کی خواہشات اپنی پوری شدت کے ساتھ جاگ اٹھتیں اور جب رنگ برنگی مچھلی اس کے بدن سے محبت کا کھیل کھیلتی۔ اس جھٹپٹے میں یہ سمندر، یہ جنگل اور اوپر کا آسمان اس کی ذہنی آنکھ کے سامنے اس چھوٹے سے گاؤں کا لا رکھتے جیسے مہیب طوفانی لہریں اپنے ساتھ بہا لے

MashalBooks.org

گئیں۔ جب وہ ابوالہاشم کے خاندان میں رچ بس گئی تو وہ اسے اپنے ہمراہ اپنا گاؤں دکھانے لے کر گئی تھی۔ مگر نہیں، وہاں زندگی کی قطعاً کوئی رمق نہ تھی نہ ہی کوئی آدمی، بھیڑ بکری اور نہ ہی کوئی بطخ یا درخت، غرض یہ کہ وہاں کچھ بھی موجود نہ تھا۔ بس ایک دہلا دینے والا کھوکھلا پن خالی پن وہاں مسلط تھا۔ وہاں جو پنچ رہا تھا وہ سفید زمین تھی جو دھل منجھ کر صاف ستھری ہوگئی تھی۔ خالی پن کی اس ہولناک صورتحال نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج کر دیں تھیں۔ کیا ایک پورا گاؤں اس طرح نابود ہوسکتا ہے؟ کیا گزرے وقت کا ایک پودا درخت بھی باقی نہیں رہ سکتا تھا؟ وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ سوچ سکی، نہ ہی اس کی آنکھیں بھیگیں اور نہ ہی اس نے کوئی دُکھ محسوس کیا۔ وہ اس منظر کو خالی خالی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد ابوالہاشم نے رحانم کا بازو تھامتے ہوئے کہا: ''ماں! آؤ چلو چلتے ہیں۔''

ابوالہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا: ''کہاں؟''

'کیوں' میرے گھر؟''

''تمہارے گھر۔''

اسے کوئی گھر نظر آ رہا تھا اور نہ ہی آبادی۔ واقعی اس لامحدود، خالی جگہ پر کچھ بھی تو نہ تھا جو اس کے نظارے میں دیوار ہوسکتا۔ جہاں تک بھی اس کی نظر دیکھ سکتی تھی۔ وہاں تک کہیں بھی انسانی آبادی کی کوئی نشانی نہ تھی۔ ٹھیک اسی لمحہ میں سکھ دیپ اس کی زانو پر زور سے رو پڑا اور بچے کی سسکیاں فوراً ہی اسے دائمی حرکت کی حقیقی دنیا میں لے آئیں۔ اس نے سکھ دیپ کو پیار سے سنبھالا اور پھر اسے تھپکنے لگی۔ وہ کچھ دیر بعد ابوالہاشم سے مخاطب ہوئی۔ ''بابا! چلو تمہارے گھر چلتے ہیں۔''

اس نے یہ بھی سوچا کہ یقیناً جمال کسی نہ کسی دن اس کے پاس آیا ہوتا اگر وہ زندہ ہوتا۔ ابوالہاشم نے بھی اسے اسی انداز میں یہ یقین دہانی کرائی تھی۔ وہ اس کا انتظار کرتی رہی، کرتی رہی، لیکن نہیں وہ لوٹ کر نہیں آیا۔ کسی کے لیے بھی کسی کے انتظار کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ اس امید پر سمندر پر نظر رکھا کرتی کہ کوئی انجن سے چلنے والی طاقتور کشتی یا ٹرالر ایک دن اسے اس کے پاس لے آئے گا۔ وہ سڑک پر بھی اس امید پر نظر جمائے رکھتی کہ ایک آدمی نقطے سے بڑھتا ہوا آخر ایک پورے انسان کی شکل اختیار کر لے گا اور وہ جمال ہوگا لیکن نہیں، یہ سب فضول تھا...... اس کی تمام امیدیں مغالطہ آمیز ثابت ہوئیں۔ اس نے انتظار میں اتنے بہت سال بے ثمر گزار

دیئے۔ اگر سمندر بپھر کر تیس فٹ تک اونچا ابھر آئے تو بہت سوں کو ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو جانا پڑتا ہے جیسے کہ بہت سی مانی مالائیں اور بہت سے جمال ہو گئے۔ صرف ابوالہاشم اور حانم باقی رہ گئے تاکہ ایک اور گھر تعمیر کر سکیں اور اس کے علاوہ منافع میں ایک بچہ۔ آہ ایک بچہ۔ اس دن اس کی چھاتیاں کیسی سوج گئیں تھیں۔ دودھ سے لبالب بھری ہوئیں۔ اس کی وہ خوشی کس قدر بے پناہ تھی۔ جب اس نے بچے کو اپنی چھاتیوں کے قریب کیا تھا لیکن آج؟ آج رحانم کو کسی اور ہی چیز کی طلب تھی۔ ...... ایک نئے لمس کی سنسناہٹ، ایک دوسرا ہاتھ، ہونٹوں کا ایک جوڑا، گرم، بوجھل سانسیں اس نے اپنے پورے بدن پر رنگا رنگ مچھلی کا جھلملاتا ہوا لمس محسوس کیا۔ سنہرے رنگ کی مچھلی جس پر سیاہ چکتے پڑے تھے اور جس کی تیز دھار تھوتھنی بے دردی سے اس کے پورے بدن کو دریافت کر رہی تھی۔ سنگھاڑوں کی ٹوکری ایک طرف رکھ وہ پھر پانی میں اتر گئی لیکن مچھلی سے کہیں مفر نہ تھا۔ جیسے ہی اس کی ایڑھیوں نے پانی کو چھوا اسے اس کی تھوتھنی کی ہلکی سی لرزش کا احساس ہوا۔ وہ جیسے جیسے سمندر میں آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے بدن کے دیگر حصے، اس کے گھٹنے، اس کی کمر اور اس کی چھاتیاں اس کے حملوں کی زد میں آتے جا رہے تھے۔ اس کی چھاتیاں اس بدقماش مچھلی کا بدترین نشانہ تھیں۔ اس کے لمس پر اس کی چھاتیاں تن کر پھول جاتیں، کپکپاتیں اور ضربیں سی لگاتیں۔ یہ ایک عظیم کھلبلی ہوتی جیسی دریا کے تیس فٹ اوپر اٹھ آنے پر ہوا کرتی ہے۔ جب موجیں اس کی ساڑھی کو اس کے بدن پر سے کھینچ لے گئیں تو وہ خود جیسے ایک جادوئی عمل سے رنگ برنگی مچھلی میں بدلتی چلی گئی جو اس کے اپنے خوابوں، دکھ درد اور مستقبل کی ایک علامت تھی۔ رحانم رو دینے کے قریب تھی کچھ ہی دیر بعد اس نے بلند آواز سے سسکیاں لینی شروع کر دیں۔ وہ چاہتی تھی کہ خود کو اس واہمہ سے آزاد کرا سکے کہ سمندر زیادہ عرصہ تک اس کی مسرتوں کا امین رہ سکے گا۔ اس کا ذہن اس خیال کی طرف پلٹ پڑا کہ یہ وہ طریقہ نہیں ہے جس سے وہ اپنی ذات کی تکمیل کر سکے۔ تو پھر اس برہنہ بدن کا فائدہ کیا ہے؟ اس کے اندر یقیناً ایک ایسی جگمگاتی چیز تھی جس کی دیوانہ وار تمنا کی جا سکتی تھی۔

سورج ابھی تک طلوع نہیں ہوا تھا۔ صرف آسمان سرخ تھا۔ اس نے اپنی پوری کھلی آنکھوں سے اُفق کی طرف دیکھا۔ اچھا تو چیزیں یوں پھیل کر بڑی ہوتی ہیں اس طرح سے آغاز کی شروعات ہوتی ہے۔ تو بالکل اس طرح ہوتا ہے۔ آسمان پہلے نیلگوں تھا پھر سفید ہوا اور آخر میں یہ

MashalBooks.org

سرخ ہو گیا۔ رحانم نے خود بھی طاقت کی طلب محسوس کی۔ وہ سوچ رہی تھی صرف اکیلا آسمان ہی رنگ کیوں بدلتا ہے۔ یہ تبدیلی ہر چیز میں کیوں نفوذ نہیں کر جاتی۔ اس کی اپنی ذات میں کوئی داخلی تبدیلی کیوں نہیں آتی۔ کبھی اپنی نوعمری میں وہ بھی ایسی ہی تروتازہ تھی جیسا نیلا آسمان۔ اسے جمال کی ہمرہی کا لطف حاصل تھا۔ ماں ہونے کی روحانی مسرت ...... یہ الوہی خوشی کہ اس کا ایک بچہ ہے۔ کیسے اس کی زندگی بے رنگ کر کے یہ سب مٹ گیا؟ ...... وہ کب تک اور انتظار کر سکتی ہے کب تک؟ جمال کسی راستے سے بھی نہ لوٹا نہ سمندر کے راستے اور نہ جنگلوں سے جیسے کہ وہ اچانک ہی مچھلی کے شکار کو چھوڑ چھاڑ کر آ جایا کرتا تھا۔ تب اس کا اپنے خاندان سے تعلق مضبوط اور شدید تر ہوتا گیا ...... تب اس کی راتیں بے داغ سفید بادلوں کا روپ دھار گئیں۔ وہ دونوں ہی تالاب کے کنارے بیٹھے ستاروں بھرے آسمان کو تکا کرتے جبکہ نیند سے محروم چڑیاں ان کے سروں پر چہچہا رہی ہوتیں۔ اگر وہ کبھی مخصوص درخت کی بلندی پر اپنی نظریں ٹکا دیا کرتی تو وہ بتدریج اس کے قریب اور قریب آتا ہوا محسوس ہوتا۔ وہ بالکل جیسے اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جایا کرتا اور پھر کسی رضائی پر کاڑھے نقش کا روپ دھالیا کرتا۔ ایک مٹی کے برتن پر کڑھا ہوا پھول، ایک پیٹر یا ایک ہرن ...... رحانم کی آنکھوں کے سامنے ایک پورا جنگل وجود پا جایا کرتا بالکل ویسا ہی جیسا کہ فاطرہ کی زمیں پر اگ آیا تھا۔ جب کوئی ایک مخصوص چیز اس کی نظروں کے نزدیک آ جایا کرتی تو اس کی دونوں آنکھیں ایک ساتھ کام کرنا ترک کر دیتیں۔ اگر اس کی دائیں آنکھ کام کر رہی ہوتی تو بائیں اس کے بالکل مخالف سمت دیکھتی محسوس ہوتی۔ تب وہ اندر مانگ دریا کو اس کی پوری جولانی کے ساتھ تصور کر پاتی تھی۔ اس کی نظر کی لکیر خود کو دریا کے پانی میں ضم کر دیا کرتی تو تیزی سے سمندر کی طرف بڑھ رہا ہوتا۔

وہ کتنی ہی بار جمال سے درخواست کر چکی تھی کہ وہ اسے سمندر پر لے چلے۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ اسے سمندر دیکھنے کی بڑی چاہ ہے۔ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ سمندر کیسے دھاڑتا ہے۔

''تم ڈرو گی نہیں؟'' جمال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''کیوں؟ کوئی پانی سے خوف زدہ کیوں ہوگا؟''

جمال جواب دیا کرتا: ''ٹھیک ہے ایک دن میں تمہیں سمندر پر لے چلوں گا۔ تمہیں لہروں میں دھکا دے دوں گا پھر اگر تم ڈریں ......''

اس سے قبل کہ وہ اپنی بات ختم کرتا رحانم بول پڑتی۔ ''تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اگر میں ڈری تھی تو تم وہیں میرے ساتھ ہو گے۔ میں دونوں ہاتھوں سے تمہیں تھام لوں گی۔''

''اچھا مجھے بتاؤ تم مجھے کیسے پکڑو گی؟''

''ہش! مستی مت کرو۔''

جمال ہنستے ہوئے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا کرتا۔ اس کے بازوؤں میں جکڑی ہوئی وہ ایسی ہی پوتر خوشی محسوس کرتی جیسی کہ سمندر کی سیر سے اسے حاصل ہو سکتی تھی۔ اداب اب وہ جانتی تھی کہ پانی کس قدر تباہ کن، ہولناک اور غارت گر ہو سکتا ہے ...... کون کہتا ہے کہ پانی کا دوسرا نام زندگی ہے؟ ...... موت، موت ...... اس لفظ کو دہراتے ہوئے رحانم پانی سے نکل آئی۔ اس نے اپنی بائیں آنکھ سے دیکھا کہ پانی کی ایک سبز لکیر آسمان کو چھو رہی ہے جبکہ اپنی بائیں آنکھ سے وہ ریت کے ایک بلند و بالا ٹیلے کو دیکھ رہی تھی جو اس کے سر کے اوپر بلند ہو رہا تھا۔ اس کے اوپر سے مسلسل ریت برس رہی تھی اور اسے سمندر اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا تھا۔ اس دن بھی سمندر اسی انداز میں ریت کو ساتھ لیے بہہ رہا تھا جس دن اس نے سکھ دیپ کو پایا تھا۔ بچے کا یہ نام اسی نے رکھا تھا۔ اگر اس دن اسے سکھ دیپ نہ ملا ہوتا تو شاید آج اس کی زندگی مختلف ہوتی۔ بالکل اسی طرح جیسے اگر اس کی ملاقات ابوالہاشم سے نہ ہوئی ہوتی۔ پانی اس کے بدن سے قطرہ قطرہ گر رہا تھا۔ وہ اب پانی میں نہیں تھی۔ جیسے ہی اس نے آبی سنگھاڑوں کی ٹوکری سینے سے لگائی تو اسے احساس ہوا کہ اب اسے گھر جانا چاہیے۔ گھر؟ گھر کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کیا تین افراد کے محض ایک ساتھ رہنے سے گھر وجود میں آ جاتا ہے؟ کیا قدرتی بندش کوئی ایسی چیز ہے جو محض پیوند کاری پر سبقت لے جاتی ہے؟ یا وہ اسی پیوند کا حصہ بن جاتی ہے؟ رحانم کے پاس اس کا کوئی حتمی جواب نہیں تھا۔ اس نے چلنا شروع کر دیا۔ اس ویرانے میں تمام اثر انگیزی غارت ہو گئی۔ رحانم نے خود کو نا قابل برداشت حد تک ...... تنہا محسوس کیا۔ اس کے باوجود کہ وہ غیر فطری انداز میں منظّم کیے گئے ایک خاندان کی فرد تھی۔ سب، سب ہی کچھ مٹ چکا تھا اس کا باپ اور ماں، بھائی اور بہنیں، ساس اور سسر، شوہر اور نندیں، اس سیل بے پناہ سے کچھ نہ بچ سکا تھا۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی کہیں زندہ موجود بھی تھا تو اسے اس کے بارے میں کوئی خیر خبر نہ تھی۔ وہ سب کے سب اس کے لیے نا قابل تنسیخ حد تک کھو چکے تھے۔ اس کی یہ تنہائی عارضی نہ تھی۔ یہ نہایت گہری اور عمیق

تھی۔ تنہائی کے اس دائمی احساس سے اسے کبھی نجات نہیں ملتی تھی۔ ساحل سے روانہ ہونے سے قبل اس نے اس پر کاہلی سے ایک نظر ڈالی۔ یہاں، اس کے چاروں طرف اسے ایک سفید روشنی دائرہ کیے ہوئے تھی۔ وہاں کوئی اور نہیں تھا...... کوئی نزدیک آکر اس کے قریب کھڑا نہیں ہوا۔ صرف رنگ برنگی مچھلی تھی جو اپنی سوئی جیسی سونڈ لیے اس کے خوابوں میں تیر رہی تھی۔ رحانم اپنے ساتھ تنہا رہتے رہتے تھک چکی تھی...... اب وہ کسی اور کی منتظر تھی، کوئی اور آدمی۔ یہ سفید روشنی ایک نئی، مختلف زندگی کی رو کی طرف اشارہ کر رہی تھی جو اس کے داخلی وجود سے بلند ہو رہی تھی۔

وہ ایک ایسے آدمی کی منتظر ہے جو اس تک پہنچے گا۔ یہ شکایت کرتا ہوا کہ میں کتنے زمانوں سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ کیوں، میں اپنی تمام تر جستجو کے باوجود تمہیں نہیں پا سکا۔ تم نے اپنا آپ مجھ سے کیوں پوشیدہ کیے رکھا؟ جیسے کہ یہ آواز اس کے کانوں کے گرد منڈلاتی ہوئی گونج رہی تھی۔ اس کے پورے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس کے اندر ایک آواز بدبدائی۔ تم مجھے کیسے پا سکتے تھے؟ میں خود کو کس قدر معذور اور شرمندہ محسوس کر رہی ہوں۔ اس نے اپنے تصور میں دیکھا کہ وہ آدمی اس کی طرف بڑھا اور اس کا بازو پکڑ کر بولا: ''رحانم۔ تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو؟ ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں...... تم میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہو۔ تم سے میری ایک ذرا سی بات بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ جب میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تم میری آنکھوں کی پتلیوں میں تصویر ہو جاتی ہو۔ جب میں تمہارے قریب کھڑا ہوتا ہوں تو میرے بدن کی مہک تم پر چھا جاتی ہے جب میں اپنے بازو پھیلاتا ہوں تو تم ہوا کے مانند میری طرف لپکتی ہو اور میرے بازوؤں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیتی ہو۔ میں اور تم باغ عدن میں ٹہلتے ہوئے اس کے حدود پار کر جاتے ہیں۔ ہماری پشت پر خدا کی رنج آمیز بازگشت ہے۔ ہم نہ تو پلٹ کر دیکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے قدموں کو روکتے ہیں۔ ہم اولین انسان کا روپ دھار چکے ہیں۔ ہم نرم زمین پر اپنے قدم مضبوطی سے گاڑ چکے ہیں اور اپنا گھر قائم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

وہ حیران تھی کہ انسان شعور کے ذریعہ سوچوں میں کیسے کیسے انوکھے خیالات در آتے ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں سے اتنے بہت سے خیالات اس کی کھوپڑی میں بہتے چلے آتے ہیں۔ ممکن ہے اسی طرح سے انسان کے ابتدائی تصورات، شکل پاتے ہوں۔ جب وہ دکھی ہوتی تو آبی سنگھاڑوں کی ٹوکری اسے ناقابل برداشت حد تک وزنی محسوس ہوتی۔ ریت کا قطعہ عبور کر کے وہ

جنگل تک پہنچی۔ اس کے قدموں کے نیچے نرم سبز گھاس تھی اور گاؤں کو جانے والے راستے جنگل جلیبی اور دیگر پودوں اور پھولوں کی بیلوں سے اٹے ہوئے تھے۔ ذرا فاصلے پر ایک گول دلدلی جگہ تھی جس میں میٹھا پانی تھا۔ اس کے عقب میں دھان کے کھیت اور ناریل کے درخت تھے جو اپنے سر ہر چیز سے بلند کیے ہوئے تھے۔ یہ راستہ اس کا جانا پہچانا تھا۔ وہ اسے ہر روز بار بار عبور کیا کرتی تھی۔ اس کا ایک اپنا آہنگ تھا جس سے وہ اس سے قبل واقف نہ تھی۔ صرف آج اسے اس کا ادراک ہاتھا۔ آج وہ اتنا مختلف کیوں محسوس کر رہی ہے؟ وہ یہاں بیٹھ کر کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی۔ اس نے جان لیا کہ ارادہ کی قوت ہر چیز کی بنیاد ہے ------ یہ آدمی کو عمل پر اکساتی اور اس کی حرکات میں باقاعدگی پیدا کرتی ہے۔ وہ انسان کو دوڑنے اور ساتھ ہی آرام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ اسے کھانے اور سو جانے پر آمادہ کرتی ہے۔ کیا ہم ارادے کی قوت کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں؟ یہ ہمیں راستہ دکھاتی اور قوت دیتی ہے۔ اچانک ہی اسے اپنے سر پر ایک چڑیا کی چہکار سنائی دی۔ اس نے اوپر دیکھا ------ چڑیا کی چہکار لگتا تھا کہ جیسے اس کی خواہش کی بازگشت ہو اور اپنے اندر اس کی پوری شدت اور سرعت سمائے ہوئے ہو۔ رحانم نے بشاشت سے اردگرد نظر ڈالی۔ چڑیا کہیں دور اڑ رہی تھی۔ وہ بھاری ہوا میں مدغم ہو کر نظر سے اوجھل ہو گئی تھی۔ یقیناً یہ معدوم ہو کر غائب ہو جائے گی۔ زندگی میں کچھ بھی مستقل نہیں ہے۔ ہر چیز کو آج یا کل نابود ہو جانا ہے۔ مخالف سمت سے نئی چڑیاں اڑتی ہوئی آگئیں۔ جنگل میں چند قدم چل کر وہ ساکت کھڑی ہو گئی۔ اس نے آبی سنگھاڑوں کی ٹوکری کو کمر پر سے اتار کر ایک طرف زمین پر رکھا۔ بھاری ٹوکری اٹھانے کے باعث اسے اپنی کمر میں اینٹھن محسوس ہو رہی تھی۔ ایک بھرپور انگڑائی لینے کے لیے اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ وہ بائیں طرف کو جھکی اور پھر دائیں طرف اور پھر بالکل سیدھی ہو گئی۔ اب وہ خود کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔

تب اسے خیال آیا کہ کیوں بار بار گھر لوٹ جانے کا سوال سر اٹھاتا ہے۔ کیا ہو جائے گا اگر اسے واپسی میں دیر ہو گئی؟ کیا سکھ دیپ بھوک سے بلبلائے گا؟ سکھ دیپ اس کا بیٹا ہے۔ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ قدرتی طور پر اسے دکھ ہوتا ہے۔ اگر سکھ دیپ بھوک کی وجہ سے روئے تو وہ آبی سنگھاڑوں کو ابالے گی اور ان پر نمک چھڑک کر اسے کھانے کو دے دے گی۔ جب وہ اسے کھالے گا تو کھیلنے چلا جائے گا۔ کیا یہ ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچے کو خوش و خرم رکھے؟ ممکن ہے ایسا

MashalBooks.org

ہی ہو۔ رحانم کوشش کر رہی تھی کہ اس صورتحال کو سمجھ سکے۔ صرف اکیلا سکھ دیپ ہی کیوں؟ وہاں ابوالہاشم بھی تو ہے جو اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس کا بھی تو پیٹ بھرنا ہوگا۔ وہ ابلے ہوئے سنگھاڑے نہیں کھاتا۔ وہ سبزی کے ساتھ پینٹا (چاول) کو ترجیح دیتا ہے جسے گزشتہ رات پکایا گیا ہو اور ایک ڈش کے طور پر ناشتے کے لیے رکھ دیا گیا ہو اس کے ساتھ اسے مٹھی بھر بھنی ہوئی سرخ مرچیں بھی درکار ہوتی ہیں۔ پلیٹ بھرے چاولوں کو مرچ سرخ کر دیتی ہے۔ کھانا کھا لینے کے بعد ابوالہاشم باہر چلا جائے گا۔ تب وہ گھر کے دوسرے کام نمٹائے گی۔ فارغ ہونے کے بعد خود کھانا کھائے گی۔ کھانا ختم کر لینے کے بعد جب وہ ڈکار لے گی تو یہ تصور اسے گھیر لے گا کہ زندگی مختلف ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے جنہیں گہرے خط کھینچ کر واضح کر دیا گیا ہے۔ اس کی یہ حد ہے اور وہ بڑھتے ہوئے سیلابی ریلے کی وہ سیاہ رات کی لکیر ہے جو اس حد کو واضح کر رہی ہے۔ یہ لکیر بے حد گہری کھینچی گئی ہے جسے مٹانا مشکل ہے۔ ڈکار کے بعد ...... اب کیا ہے؟ برتنوں اور پلیٹوں کی دھلائی جو گزشتہ رات استعمال کیے گئے۔ صحن میں جھاڑو، گائے کے باڑے کی صفائی اور دوپہر کے کھانے کی تیاری ...... اگر بس یہی سب کچھ ہے جو وہ کرنا چاہتی ہے تو پھر گھر واپس جانے کا فائدہ؟ ...... نہیں، آج وہ واپس نہیں جائے گی۔ وہ ایک بڑے پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے یہیں بیٹھی رہے گی۔ اس نے اپنی ٹانگیں پھیلا لیں گیلی ساڑھی بدن پر سے اتاری اور نچوڑ کر سکھانے کے لیے ایک طرف کو ڈال دی۔ ایک سوکھی پتی پیڑ سے اس کو زانو پر آ گری اس نے اسے اٹھایا لیکن جیسے ہی وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لائی۔ اس کی نظر یک طرفہ ہو گئی۔ وہ پتی کو صرف اپنی دائیں یا بائیں آنکھ سے دیکھ سکتی تھی۔

جمال اس کے ساتھ گھومنے کا بے حد شوقین تھا۔ وہ اپنا بہت سا وقت تالاب کے کنارے گزارتے اور رات گئے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے۔ پتنگے ان کے گرد بڑی تعداد میں جمع ہو جایا کرتے۔ وہ صرف دو سال ساتھ رہ سکے ...... اس مہیب طوفانی رات کو گزرے جس میں انہوں نے اپنی ہر چیز کھو دی چھ سال ہو چکے تھے۔ اب تک جمال اس کی زندگی میں آنے والا واحد مرد تھا۔ اس طویل عرصے کے دوران وہ مرد سے محروم ایک عورت رہی تھی۔ اور اب وہ اس زندگی سے عاجز آ چکی تھی اور اب ماضی کو رد کر دینے پر تلی ہوئی تھی اور ایک نئی زندگی شروع کرنے کی آرزو مند تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے جمال نے اس کی زندگی میں ایک نیا دروازہ وا کیا تھا۔ ان دونوں نے

ایک ساتھ لاتعداد راتوں اور دنوں میں خوشی کے ان گنت لمحات ساتھ بتائے تھے۔اس کے شوہر کا بڑا بھائی ان کی محبت بھری چھوٹی موٹی شرارتوں کو ناپسند کرتا تھا۔اس بدمزاج انسان کے نزدیک دل کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن جمالی اس سلسلے میں اپنے بھائی کو کم ہی اہمیت دیا کرتا۔رحانم سے اس کا جسمانی سے زیادہ گہراتعلق جذباتی تھا۔تو پھر، کیا جمال ہی کو اس کی زندگی آنے والا واحد مرد رہنا چاہئے؟ رحانم نے مرجھائی ہوئی پتی کو اپنے پیروں تلے کچل دیا۔ وہ کہہ رہی تھی، نہیں۔اس مردہ پتی کی طرح جمال بھی میری زندگی سے نکل جائے گا۔ایک بار پھر تجدید بہار ہوگی پلٹ کر آتے ہوئے دنوں کے ساتھ جب نئی کونپلیں پھوٹیں گی۔ میں کسی بھی صورت خود کو مرجھانے نہیں دوں گی۔کیا میں اپنی ذات میں ایک اکیلی انسان ہوں؟ یا، کئی ایک افراد جو کسی ایک شخصیت میں مجتمع ہوگئے ہیں؟ کیا ہیں اپنی قامت میں کسی موج جیسی ہوں جیسی کہ وہ وجود میں آنے کے وقت ہوتی ہے۔ایک ایسی موج کی طرح جو لہروں میں ضم ہوجاتی ہے۔گول گول چکرانے کے دوران بڑبڑاتی اور غوں غاں کرتی چکراتی رہتی ہے۔آہ! میں اب کچھ اور نہیں سوچ سکتی۔ پھر اس نے چلنا شروع کردیا۔خشک پتوں کو کچلتے ہوئے اسی طرح سے ایک دن آغاز ہوتا اور ایک اور دن اپنے اختتام کو پہنچتا۔اس لیے میں ایک سے زیادہ ہوں۔درحقیقت کئی ایک ملگجی روشنی ڈوب رہی تھی۔ دن نکلنے ہی والا ہے۔وہ یقیناً طلوع ہوگا۔اب بھی دھندلی سی تاریکی درختوں کی چوٹیوں پر دکھائی دے رہی تھی۔رحانم مسلسل حرکت پذیر تھی۔وہ قدم بہ قدم جنگل میں بڑھ رہی تھی۔ یہ علاقہ سوائے سانپوں اور سنڈیوں کے ہر قسم کے جانوروں سے پاک تھا۔رحانم سنڈیوں سے واقعی خوف کھاتی تھی۔ اچانک ہی اس کا ان سے خوف اس میں در آیا۔اس نے اپنے اردگرد دیکھا اور پتوں کا معائنہ کیا۔نہیں، یہاں نزدیک میں کوئی سنڈی نہیں ہے۔اس نے اس جگہ سانپ بھی نہیں دیکھا تھا۔اب، یہ راستہ اس کے لیے قطعی محفوظ تھا۔اس سب کے باوجود گھر لوٹ جانے کی پکار نا قابل مزاحمت تھی۔

مجھے گاؤں کے اسی بیزار کن راستے سے گھر جانا ہے ...... گھر کے روزمرہ کے بہت سے کام اس کے منتظر ہوں گے۔جب میں گھر پہنچوں گی یہ میری زندگی کا حصہ بن جائیں گے۔وہ وہی ہمیشہ کی ترتیب اور معمول کی شکل اختیار کرلے گی۔ دوسری صورت میں ہر چیز درہم برہم ہوجائے گی اور ان پیاروں کی زندگی ایک غیر منظم افراتفری کے بھینٹ اتر جائے گی۔ ہر کوئی

مضطرب ہو کر دکھ میں مبتلا ہو جائے گا ...... زندگی کی ایک کیفیت جو کسی کو بھی قطعی مطلوب نہیں ہے۔اس کے باوجود میرے پاس گھر جانے کے علاوہ کوئی اور متبادل نہیں ہے۔خود اپنی ذات کی خاطر مجھے بہرصورت گھر لوٹنا چاہیئے۔اب، میں اپنی روزمرہ کی مانوس گھریلو زندگی کے دائرے میں داخل ہو جاؤں گی۔

رحانم آبی سنگھاڑوں کی ٹوکری اٹھائے چلی جارہی تھی۔وہ اب بھی درختوں کی اوٹ میں تھی۔اسے جنگل سے باہر نکلنے میں جھجک محسوس ہورہی تھی کہ اس کے کانوں میں ایک گیت کے بول پڑے۔کوئی اسی سمت گاتا ہوا چلا آرہا تھا۔یہ ایک نامونوس دھن تھی۔وہ نہیں سمجھتی تھی کہ اس آدمی کا تعلق اس کے گاؤں سے ہے۔وہ قریب آرہا ہے۔رحانم نے خود کو ایک درخت کی اوٹ میں کرلیا تا کہ اس آدمی کا جائزہ لے سکے۔نہیں، وہ اسے نہیں جانتی تھی۔شاید اس آدمی کا تعلق کسی اور گاؤں سے تھا۔جب وہ اسے پیچھے چھوڑ گیا تو وہ سڑک پر آ گئی۔کوئی اس کے عقب میں نہیں آرہا تھا لیکن وہ آدمی جو ابھی وہاں سے گزرا تھا خاصے فاصلہ پر جارہا تھا۔اس منظر نے اسے دکھ سے بھر دیا۔چند قدم چل کر وہ ایکا ایکی رک گئی۔اس کو مزید آگے بڑھنے کی خواہش نہ تھی۔پہلے وہ آدمی گزر جائے جب وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے گا تو وہ آگے سفر کا آغاز کرے گی۔وہ ایک بار پھر جنگل میں داخل ہوگئی اور مٹھی بھر کر سنہری بیل کو نوچ لیا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ آخر وہ کرنا کیا چاہتی ہے۔اس نے اس بیل کو نوچا ہی کیوں؟ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس نے بیل کو مروڑا اور ایک رسی سی بنا کر اسے دور پھینک دیا۔وہ ایک درخت کی شاخوں میں الجھ گئی۔

جب وہ آدمی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ ایک بار پھر ان جانے سے جذباتی دورے میں مبتلا ہوگئی۔اس کے خیالات آپس میں کسی رسی کے ریشوں کی طرح گندھے ہوئے تھے۔اس کے احساسات اتنے پیچیدہ ہو گئے تھے کہ وہ ان میں ایک مستحکم ترتیب کی تمنا کرنے لگی۔وہ چاہتی تھی کہ اپنے پورے وجود کو جکڑ کر اسے ایک گرہ میں باندھ لے۔

وہ خاموشی سے جنگل سے باہر نکل آئی۔اس کی کوشش تھی کہ گری ہوئی پتیاں اس کے قدموں تلے آ کر کچلی نہ جائیں۔آج اس نے گھر واپس آنے میں بہت دیر لگا دی تھی۔آج سے قبل اسے کبھی اتنی تاخیر نہیں ہوئی تھی۔وہ اس کے لیے شرمندہ سی تھی۔وہ اس بات پر بھی پریشان تھی کہ گیلی ساڑھی اس کے بدن سے چپکی ہوئی تھی۔صرف ایک یا دو افراد سڑک پر تھے۔وہ انہیں جانتی

تھی۔ یہ لوگ مچھلی پکڑنے اپنے ٹرالر پر جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ نے اپنی پشت پر مچھلی پکڑنے کے جال لاد رکھے تھے جبکہ کچھ نے پینے کے پانی کی مشکیں اٹھا رکھی تھیں۔ اگر وہ سمندر میں اپنے ساتھ میٹھا پانی لے کر نہ جائیں تو سمندر میں پیاس کے ہاتھوں مارے جائیں۔ اس خیال نے رحانم کو دہلا دیا۔ پیاس کی کتنی چکرا دینے والی اقسام ہیں یا انسان کی پیاس بھی کیسی شدید ہوتی ہے! یہ انسان کو قطعی بے حال کر دیتی ہے۔ وہ ان لوگوں کی زبان سمجھ سکتی تھی جو اس پر نظریں گاڑے ہوئے تھے۔ اس نے کسی بھی طرف دیکھنے سے احتراز کیا وہ آہستگی سے چلتی رہی۔ سکھ دیپ کو یاد کر کے اسے دکھ سا ہوا۔ شاید وہ جاگ جانے کے بعد رو رہا ہوگا۔ ممکن ہے وہ بہت بھوکا ہو۔ جیسے ہی اس کے ذہن میں ابوالہاشم کا نام ابھرا وہ خوف سے سہم گئی۔ شاید وہ دانت پر دانت جمائے وارانڈے میں بیٹھا ہوگا۔ اس کے اس قدر تاخیر سے گھر لوٹنے پر۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کی ملاقات بڑے منشی سے ہوئی جس نے ایک کشادہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر اس سے پوچھا: ''ماں تم کیسی ہو؟''

''آپ کی مہربانی ...... ٹھیک ٹھاک۔'' رحانم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ وہ منشی چاچا کو پسند کرتی تھی اس کے متبسم چہرے سے دوستی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس پر پڑنے والی نظر ذہن میں ایک مہربان باپ کی شبیہ ابھارتی تھی۔ وہ ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا۔ یہ مسکراہٹ کبھی ماند نہ ہوتی تھی۔ اسے کسی نے بھی کبھی غصہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں ابوالہاشم ضرور اس کے حوالے سے کہا کرتا تھا کہ اس میں مردانہ پن کی کمی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ایک مرد کی حقیقی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج میں پر جوش اور تندخو ہو۔ حقیقت دراصل یہ تھی کہ منشی ایک خوش قسمت مچھیرا تھا جو بہت بڑی تعداد میں مچھلیاں شکار کیا کرتا تھا۔ یہ بات ابوالہاشم کو حسد پر اکساتی تھی۔ ...... رحانم کو اکثر اس شکایت کو سننا پڑتا تھا۔ ان الفاظ کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ مسکرا پڑی۔ ''چاچا، آپ تو ٹھیک ہیں؟''

ہاں خدا کا کرم ہے۔

کیا تم سمندر پر گئیں تھیں؟''

''ہاں میں وہیں گئی تھی۔''

''خوب، خوب تو کیا تم نے آبی سنگھاڑے اکٹھے کیے۔''

''ہاں، آج تو مجھے بہت سے مل گئے۔''

’’بہت خوب، چلو یہ تو اچھا ہوا۔‘‘ منشی نے بار بار سر ہلا کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

رحانم نے درختوں کی چوٹیوں کو سورج کی چمکدار روشنی میں نہائے دیکھا۔ ایک اور روشن، جگمگاتا دن اس کی زندگی میں طلوع ہو چکا تھا۔ رحانم یہ الفاظ اپنے ذہن میں دہراتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑی۔ روشنی اور دھوپ، دھوپ اور روشنی جب وہ صحن کے قریب پہنچی تو اس کا پورا جسم اس آدمی کو دیکھ کر سن ہو گیا جسے اس نے سمندر کے کنارے سڑک پر سے گزرتے دیکھا تھا۔ وہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت اس کی پشت رحانم کی طرف تھی۔ وہ اپنے سر کو ذرا سی حرکت دے کر رحانم کو دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کے ایسا کرنے کی کوئی علامت نہ تھی۔ وہ اب بھی اسی انداز میں کھڑا تھا۔ شاید وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ برآمدے میں چلا جائے یا یہیں کھڑا رہ کر کسی کو پکارے۔ رحانم نے اندازہ لگایا کہ ابوالہاشم اور سکھ دیپ ابھی تک بیدار نہیں ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ رحانم نے سکون کا سانس لیا۔ رحانم آبی سنگھاڑوں کی ٹوکری اٹھائے باورچی خانے کے دروازے پر آئی اور اسے وہاں رکھ دیا۔ جب وہ ایسا کرنے میں مصروف تھی اس نے اس آدمی کی توجہ حاصل کر لی جو اس سے پوچھ رہا تھا۔ ’’کیا یہ ابوالہاشم کا گھر ہے؟‘‘

’’ہاں، رحانم اس آدمی کی طرف براہ راست دیکھنے سے قاصر تھی۔ اس نے نظریں جھکائیں اور اپنی ساڑھی کے پلو کو مروڑنے لگی۔‘‘

’’مجھے ان سے کچھ کام ہے۔ ان کو بتاؤ۔‘‘

’’تم کہاں سے آئے ہو؟‘‘

’’لتا چپالی سے‘‘

’’مہربانی کر کے بیٹھ جاؤ۔‘‘ رحانم نے برآمدے میں بچھے نمدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آخر کار اس کی نظریں اس سے ملیں۔ ٹٹولتے ہوئے انداز میں کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے وہ برآمدے میں جا کر نمدے پر بیٹھ گیا۔ اس کے پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ اس نے سفید لنگی پہن رکھی تھی۔ لنگی اس کے ٹخنوں کے اوپر تک اٹھی ہوئی تھی۔ رحانم نے سوچا کہ اس انداز کی لنگی وہی پہن سکتا ہے جسے ننگے پیروں لمبا سفر کرنا ہے۔ اس نے دھاری دار قمیض پہن رکھی تھی۔ یہ قمیض سفید کپڑے کی بنی ہوئی تھی جس پر چاکلیٹی رنگ کی بیل، چھپی ہوئی تھی۔ قمیض کے اوپر کے

MashalBooks.org

بٹن کھلے ہوئے تھے۔ جس سے اس کے سینے کے سیاہ دبیز بال جھانک رہے تھے۔ اس کے بائیں بازو پر تعویذ بندھا ہوا تھا۔ خاصا بڑا، سفید تعویذ جب اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اسے لگا کہ اس کی آنکھوں میں ایک قسم کی مقناطیسی کشش ہے۔ رحانم بے خوف سے ہوگئی اس نے اپنی پوری طاقت جمع کر کے اس سے سوال کیا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''جابدعلی'' اس نے جواب دیا: یہ کہتے ہوئے وہ نرمی سے مسکرایا۔ وہ مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا۔ اس کی مونچھیں گھنی اور ناک نوک دار تھی۔ رحانم نے ایک لحظہ میں اس کا مکمل جائزہ لے لیا۔ وہ اسے جاذب نظر لگا۔ اب تک اس کی ساڑھی اس کے جسم پر سوکھ چکی تھی۔ اس کے تنے ہوئے بدن میں ایک میٹھی سی نرم و سنسنی دوڑ گئی۔ کیا وہ جنسی غلبہ محسوس کر رہی ہے؟ اس نے غیر معمولی تیزی سے دروازہ کھولا اور کمرے میں غائب ہوگئی۔ ''ابا جان او با جان''

برآمدے میں بیٹھا ہوا جابدعلی، رحانم کی آواز سن سکتا تھا۔ جو حیران کن انداز میں اسے متاثر کر رہی تھی وہ آواز سمندر کی گنگناہٹ سے ملتی جلتی تھی جو اسے بے حد پسند تھی۔ اتنی زیادہ کہ اگر وہ یہ آواز بغیر کسی وقفہ کے سنتا رہتا تب بھی وہ اس سے بیزار نہ ہوتا۔ جابدعلی نے خود کو مصروف کر کے اپنی توجہ اس طرف سے ہٹانی چاہی۔ اس نے ہل، ڈور ڈنگروں اور فصل کے بارے میں سوچا لیکن فصل کے حصے اور چاولوں کا خیال بھی اس کی توجہ نہ بانٹ سکا۔ رحانم نے دو یا تین بار مزید با جان با جان کہہ کر آواز دی۔ ابوالہاشم رات کے آخری حصہ میں سویا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ تقریباً پوری رات ہی جاگتا رہا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس کی آنکھ نہیں کھل رہی تھی۔ رحانم کو اسے مزید کئی بار آوازیں دینی پڑیں۔ جب وہ جاگا تو اس نے چاروں طرف اتنی بدحواسی سے دیکھا جیسے اسے پورے چاند کے نظارے نے مدہوش کر رکھا ہو۔ رحانم نے اسے جھنجھوڑا۔

''او بابا، جاگ جاؤ، لتا چپالی سے ایک آدمی تم سے ملنے آیا ہے۔''

''کہاں ہے؟ کون؟'' ابوالہاشم کے کان خراب ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ الفاظ صاف سن نہیں پاتا تھا۔''

''لتا چپالی سے بابا۔ لتا چپالی سے۔ اس نے دہرایا۔ رحانم نے اپنی آواز قدرے بلند کر لی تھی۔ اس کے باوجود ابوالہاشم نے اپنا سوال دہرایا: ''کون ہے وہ، کیوں آیا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اچانک ہی غصہ کی ایک لہر رحانم پر غالب آ گئی۔ وہ آزردہ بھی تھی۔

اس آدمی نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ کہ وہ کیوں آیا ہے۔ آخر اس میں برائی کیا تھی۔ اگر وہ اسے اعتماد میں لے لیتا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا چاہا۔ ابوالہاشم کسلمندی سے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ وہ اب بھی نیند کی جھونک میں تھا اور جمائیاں لے رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا، انگڑائی لی تا کہ جسمانی جمود دور کر سکے اس نے اپنا رومال تلاش کر کے اسے اپنے کاندھے پر رکھ لیا۔ رحانم سوچ رہی تھی کہ اگر اس آدمی نے اپنی آمد کی وجہ بتا دی ہوتی تو وہ ابوالہاشم کا کچھ اعتماد حاصل کر سکتی تھی۔ اگر وہ اسے اس کے آنے کا سبب بتا سکتی تو شاید اس کے بارے میں اس کی رائے کچھ اور بہتر ہو جاتی۔ یہ ہو نہیں سکا۔ اپنی اس ناکامی کو وہ ایک طرح سے اپنی شکست سے تعبیر کر رہی تھی۔

ابوالہاشم کی آلکسی اور لاتعلقی اسے مشتعل کر رہے تھے۔ باہر وہ آدمی منتظر تھا۔ آخر وہ کب تک انتظار کرتا رہے؟ اگر آپ کسی آدمی کو انتظار کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس نے غصے کی شدت سے اپنے دانت کچکچائے اگر ابوالہاشم نے فوراً ہی اس آدمی کے ملاقات کر لی ہوتی تو شاید وہ آدمی رحانم کے بارے میں بہت بہتر رائے قائم کر لیتا۔ اس تاخیر سے وہ سمجھے گا کہ رحانم کو اپنے باپ کے گھر میں کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس سے اس کے احساس شکست میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئی کہ نیک شگون کے ساتھ شروع ہونے والی صبح ایک ایسے وقت میں بدل گئی ہے جس سے ہرگز کوئی اچھا شگون نہیں لیا جا سکتا۔ اس پر ایک بے کیفی سے چھا گئی ہے اور وہ خود کو رنجیدہ محسوس کرنے لگی۔

ابوالہاشم اب بھی اپنے بستر پر بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ رحانم نے زیرلب اسے گالیاں دیں۔ بوڑھے گدھ، اس کے باوجود کہ تم کپڑے کے بوا ہو لیکن کیا چل بھی نہیں سکتے۔

ابوالہاشم نے رحانم پر رتی برابر توجہ نہ دی۔ اس نے آرام سے اسپنج کے چپل پہنے۔ رحانم نے کمرے کے کونے میں سے گندے برتن سمیٹے اور تالاب کے گھاٹ پر جانے کے لیے تیار ہوگئی تا کہ ان برتنوں کو دھولے لیکن اگلے ہی لمحے وہ ساکت ہوگئی۔ اور خاموشی سے بیٹھ رہی اسے اس آدمی کے سامنے باہر جاتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔ دو ناکامیاں ...... اوپر تلے کی ناکامیوں

نے اسے دکھی کر دیا تھا۔ وہ ابوالہاشم کو آہستگی سے قدم اٹھاتے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ سکھ دیپ پیدا ہوکر کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ جب وہ تالاب سے نہادھو کر واپس آ گیا تو نمدے پر بیٹھتے ہوئے اونچی آواز میں بولا: ''ماں مجھے چاول دو''

رحانم نے شیلف پر سے چینی کی ایک رکابی اتاری اور اس میں سکھ دیپ کو چاول دے دیئے۔ سکھ دیپ کی آنکھیں چمکیں۔ وہ سمجھ نہیں سکا کہ آج ماں اتنی خوش کیوں ہے کہ اس نے اسے چینی کی رکابی میں چاول دیئے ہیں۔ اس نے ماں کے چہرے کو غور سے تکا۔ اسے خوشی ہوتی تھی جب اسے چینی کی رکابی میں کھانا دیا جاتا تھا کیونکہ یہ بہترین برتن روزانہ استعمال نہیں ہوا کرتے تھے۔ وہ خواہش کے باوجود بھی ان قیمتی برتنوں میں کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ یہ صرف خاص موقعوں پر استعمال ہوا کرتے تھے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ شاید آج آنے والا وہ آدمی ماں کا کوئی خاص مہمان ہے۔ اس نے بڑی احتیاط سے اپنی ماں سے دونوں ہاتھوں میں رکابی لے لی۔ وہ اپنے تجسس کو دبانے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے پوچھا:

''ماں، تم نے مجھے چینی کی رکابی میں چاول کیوں دیئے ہیں؟''

رحانم دھیمے سے مسکرائی لیکن خاموش رہی۔ سکھ دیپ چاول نگلنے لگا۔ اس کے منہ سے سسکاریوں کی سی بلند آواز خارج ہو رہی تھی۔ رحانم نے اس کے خوشی سے تمتماتے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ یہ بچہ اس کا اپنا نہیں تھا لیکن وہ یہ ہی یقین رکھتا تھا کہ رحانم اس کی ماں ہے۔ کیا یہ بچہ اپنی تمام عمر اس خوش کن تاثر کے ساتھ گزار سکے گا؟ یا یہ راز آخر اس پر کھل جائے گا؟ اسے اپنی زندگی کے بارے میں یہ کڑوا سچ معلوم ہونا چاہیے۔ وہ اس سچ سے کیوں بے خبر رہے؟ وہ کیا پائے گا یا کیا کھو دے گا۔ اگر اسے اس حقیقت سے بے خبر رکھا گیا۔'' رحانم نے تیزی سے آواز دی۔ ''سکھ دیپ'' اس نے اپنا چہرا اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا منہ چاولوں سے بھرا ہوا تھا۔ گال سوجے ہوئے تھے۔ وہ بولنے سے قاصر تھا۔ اس نے سوالیہ نشان کی طرح اپنی بھنویں اچکائیں۔

رحانم شدید اضطراب میں تھی۔ قریب تھا کہ وہ سب کچھ بیان کر دے کہ سکھ دیپ نے منہ میں بھرے چاول ایک آواز کے ساتھ نگلے اور سوال کیا: ''کیا ہے ماں''۔ عین اسی لمحے ابوالہاشم کی جوش سے چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔'' اور حانم او سکھ دیپ سنو۔ رحانم دروازے سے الگ کر کھڑی ہوگی۔ ''کیا ہوا ہے ابا جان؟''

''جابدعلی خبر لایا ہے کہ اندھر مانگ سمندر سے زمین کا جو ٹکڑا سطح پر ابھرا ہے وہ میرا ہے۔ ماضی میں وہیں میری زمین ہوا کرتی تھی۔ جابد کا منہ میٹھا کرنا چاہئے۔ کیا گھر پر میٹھا ہے۔''

''اسے کھانے کے لیے چاول اور مٹھائی دو۔''

رحانم نے جابدعلی کی نظریں خود پر محسوس کیں۔ جاوید علی ابوالہاشم پر اپنی آمد کا مقصد واضح کر چکا تھا۔ ابوالہاشم سے ملاقات کا مقصد پورا ہونے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اب وہ رحانم پر پوری توجہ دے سکتا تھا۔ جب رحانم کی نگاہیں اس سے ملیں تو وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ وہ پلکیں تک نہیں جھپکا رہا تھا۔ جابد کی نگاہیں اس پر گڑی ہوئی تھیں۔ رحانم کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ رنگ برنگی مچھلی کی سوئی جیسی تیز سونڈ اس کی ران میں چبھی۔ اب اس کے لیے اس منظر میں موجود رہنا اس کی استطاعت سے بڑھ کر تھا۔ اس نے سرعت سے کمرے کی طرف پسپائی اختیار کر لی۔ وہ سکھ دیپ کے سامنے جا بیٹھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور وہ بولنے سے قاصر تھی۔ اس وقت تک سکھ دیپ کھانے سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے اسی رکابی میں ہاتھ دھوئے پھر اس کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے پوچھا: ''کیا ہوا اماں؟''

رحانم نے نیچی آواز میں جواب دیا۔ ''تمہارے دادا زمین کے ایک نئے ٹکڑے کے مالک بن گئے ہیں۔''

''کیسے؟''

''اس جگہ پر تمہارے دادا کی زمین ہوا کرتی تھی جسے سمندر نگل گیا تھا اب اس جگہ پر زمین کا ایک ٹکڑا ابھر آیا ہے۔''

''کیا ہم وہاں نہیں جا سکتے؟''

''مجھے معلوم نہیں ابا جان''۔ رحانم ایک خدشے سے دبکی ہوئی تھی۔ وہ اتنی خوش نہیں ہو سکتی تھی جتنا کہ سکھ دیپ خوش تھا۔ یہ ابوالہاشم کی بہت پرانی جائیداد تھی۔ انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ابوالہاشم کے رشتہ دار نہیں تھے۔ اس لیے اس کا اس زمین میں کوئی حصہ بھی نہیں تھا۔ وہ ایسا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس خبر سے خوش نہ تھے۔ اس وقت تو ابوالہاشم ہی ان کا سرپرست تھا۔ اس نے نہ صرف انہیں پناہ دے رکھی تھی بلکہ وہ ان کے بہت قریب بھی تھا۔ اعتماد اور تعلق کی دوڑ نے انہیں آپس میں باندھ رکھا تھا۔ رحانم اور سکھ دیپ

فطری طور پر ابوالہاشم کی خوشی اور غم کے حصہ دار تھے۔

اچانک ہی خوشی سے چھلکتی ہوئی رحانم چیخ پڑی۔ ''ہاں باجان، ہم لوگ بھی نئی زمین پر جائیں گے جو تمہارے دادا کی ملکیت ہے۔ وہ ہماری بھی ہے۔ جانے اس نئی زمین کی مہک کیسی ہے؟''

''ہاں ماں تم درست کہتی ہو۔'' سکھ دیپ خوشی سے اچھلتا کودتا رتیر کی سی تیزی سے ابوالہاشم کے پاس گیا اور اس سے لگ کر بیٹھ گیا۔

رحانم نے شیلف پر سے شیرے سے بھرا ہوا مٹی کا برتن اتارا۔ یہ شیرہ تاڑ کے رس سے تیار کیا گیا تھا۔ دوسرے برتن میں رکھا ہوا شیرہ تقریباً ختم ہو چکا تھا اور اس کی صرف تلچھٹ ہی باقی رہ گئی تھی۔ اس لیے اس نے پرانے کے بجائے شیرہ کا نیا برتن منتخب کیا تھا۔ اس نے برتن کا منہ کھولا۔ یہ نئے مہمان کے اعزاز میں ذرا قدرے مختلف قسم کا اظہار تھا۔ ابوالہاشم کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بے حد خوش تھا۔ یہ خبر سن کر کہ اس کی ڈوبی ہوئی جائیداد واپس مل گئی ہے اس کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ جب ابوالہاشم مضطرب ہوتا تو وہ تیزی سے بات کرتا اور بار بار کاندھے پہ رکھے رومال کو درست کرتا۔ اس نے رحانم سے کہا: ''ماں! مجھے چینی کی رکابی میں چاول دو۔''

رحانم نے چینی کی دو مزید رکابیاں نکالیں۔ اس شخص جابد علی نے ان کی زندگی کے معمول کی ہر چیز کو تلپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ رحانم اپنا سب کام روک کر ابوالہاشم کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ لوٹ گیا اور کچھ دیر بعد واپس آ گیا اور بولا: ''ماں! جابد علی کو چاول دو، میں تالاب پر جا رہا ہوں۔ جلد لوٹ آؤں گا''۔

''بابا! یہ آدمی کون ہے؟ اس سے پہلے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''اس کا باپ میری زمین پر بٹائی کیا کرتا تھا۔ ہم نے اپنی زمین کھو دی تھی۔ اب زمین کا ایک ٹکڑا ابھر آیا ہے۔''

''کیا آپ پھر یہ زمین اسے بٹائی پر دے دیں گے۔''

''دیکھتے ہیں اب کیا کرنا ہے؟'' ابوالہاشم اپنے سر کو جھٹکتا ہوا انہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ رحانم شدید ہیجان میں مبتلا تھی۔ زمین کا نیا ٹکڑا، وہ کیسا لگتا ہوگا؟ زمین کا رنگ بے داغ سفید ہوگا یا سرخ؟ اسے زمین کا یہ نیا ٹکڑا خوابوں کی زمین لگ رہی تھی۔ جیسی کہ اس کے بچپن میں سنی ہوئی

MashalBooks.org

کہانیوں میں ہوا کرتی تھی۔ وہ کہانی جس میں ایک شہزادہ اڑنے والے گھوڑے پر ایک وسیع اور اجاڑ میدان کو پار کرتا تھا۔ اوہ کیسی خوشی کی بات ہے بابا زمین کے ایک ٹکڑے کا مالک ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے ایک دیگچی میں چمچا ڈالا اور چینی کی رکابی پینٹا (چاول) سے بھر دی۔ ایک بڑے پیالے کو وہ پہلے ہی شیرے سے بھر چکی تھی۔ یہ آدمی کتنی خوراک کھانے کا عادی ہے۔ کیا یہ خوش خوراک ہے؟ اس کے پسندیدہ کھانے کون کون سے ہیں؟ کس قسم کا شوربہ؟ وہ کون سی مچھلیوں کو ترجیح دیتا ہے؟ کیا وہ کیلے ملے چاول کھانا پسند کرتا ہے جس میں خوب کنکر ہوں؟ وہ کس قسم کا دودھ پینا پسند کرتا ہے۔ گائے یا بھینس کا؟ وہ خاصا صحت مند ہے ٹھیک ٹھاک بھرا پڑا ...... وہ یقیناً خوش خوراک ہوگا۔ جیسے ہی خیال اس کے ذہن میں آیا۔ رحانم پر اس کی غذائی عادات فوراً ہی واضح ہوگئیں۔ اس نے سوچا کہ اسے محض پینٹا اور پانی جیسا شوربہ دینا مناسب نہیں ہوگا؟ اس نے آہستگی سے چھت کو چھوتے ہوئے بطخ کے دو انڈے اتارے جو مٹی کے ایک برتن میں سوکھی گھاس پر ڈھکے رکھے تھے۔ وہ تیزی سے باورچی خانے میں گئی اور ہری مرچوں اور پیاز کے لچھوں کے ساتھ ان انڈوں کو تل دیا۔ وہ کچھ اور بھی پکانا چاہتی تھی لیکن اب وقت نہیں تھا۔ اس وقت تک ناشتہ تیار ہو جانا چاہیے۔ یہ آدمی ایک لمبا راستہ طے کر کے آیا ہے۔ یقیناً وہ بہت بھوکا ہوگا تو کیا اسے اس سے درخواست کرنی چاہئے کہ آج دوپہر کا کھانا وہ ان کے ساتھ کھائے؟ ہاں! یہ خیال اتنا برا نہیں ہے۔ ممکن ہے ابوالہاشم بھی اس کے لیے رضامند ہو جائے۔ وہ یقیناً اسے ایک اضافی بوجھ تصور نہیں کرے گا۔ ان کے گھر کثرت سے مہمان نہیں آیا کرتے تھے۔ اس نے پینٹا کو تلے ہوئے انڈوں سے سجایا۔ اس نے تیل میں سرخ مرچیں بھی تل لی تھیں۔ ان میں سے کچھ کو اس نے چاولوں پر رکھ دیا جیسے تیلیاں رکھی ہوں یا جیسے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جھنڈے لگے ہوں۔ وہ خود پلیٹ کی سجاوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اتنی دیدہ زیب، اگلے لمحے اس نے حیران ہو کر سوچا کیا اس قسم کی باتیں سوچنا مناسب ہے۔ کیا اسے کچھ اور باتیں سوچنی چاہئیں؟ وہ زندہ رہنے کے لیے کیا کرتا ہے؟ وہ مچھیرا ہے یا کاشت کار؟ کیا اس کی بیوی ہے؟ ...... بچے؟ کیا اس کی گھریلو زندگی مطمئن ہے؟ اچانک ہی رحانم افسردہ ہوگئی۔ فوراً ہی اسے خیال آیا کہ اسے اس قسم کی باتوں کو ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔ وہ یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی جو خیالات کسی کو دکھی کر دیں انھیں اٹھا کر ایک طرف پھینک دینا چاہئے۔

MashalBooks.org

اس وقت تک ابوالہاشم لوٹ آیا۔ وہ نہا دھو آیا تھا۔ اس دوران سکھ دیپ اس آدمی سے باتیں کرتا رہا تھا۔ یہ آدمی سکھ دیپ سے کیا پوچھ رہا ہے؟ رحانم نے سکھ دیپ کو آواز دی۔ وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔ ''کیا کام ہے ماں؟''

''یہ چیزیں اس کے پاس لے جاؤ۔''

اس نے سکھ دیپ کے ہاتھ پانی سے بھرا جگ اور نمک دان بھی بھیجا تھا۔ وہ خود چاولوں کی دو ڈشیں لائی اور انہیں برآمدے میں نمدے پر رکھ دیا۔ سفید چاولوں پر آملیٹ اور سرخ مرچیں کسی نقش ونگار کی طرح لگ رہے تھے۔ رحانم کو انہیں دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس آدمی کے نزدیک آ کر اس کی تمام افسردگی جاتی رہی ہے۔ اسے بس ایک تردد تھا کہ جانے اس آدمی کو آملیٹ پسند آئے گا یا نہیں۔

وہ اپنے برتاؤ پر الجھن سی محسوس کر رہی تھی۔ جوں ہی وہ دروازہ پار کر کے کمرے میں داخل ہوئی اسے خیال آیا آخر وہ اس آدمی کو خوش کرنے کے لیے اتنے جتن کیوں کر رہی ہے؟ وہ ایسا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے جیسے کسی بڑے سودے کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ آدمی اس سے خوش ہوتا ہے یا نہیں؟ ان خیالات نے اسے شرمندہ سا کر دیا۔ اب وہ شیرے کا برتن لے کر اس آدمی کے نزدیک نہیں جا سکتی تھی۔ اسے سکھ دیپ کو آواز دینی پڑی اور اس سے کہا کہ وہ شیرے کے برتن کو آدمی کے پاس لے جائے۔ اس آدمی نے جیسے ہی کھانا شروع کیا۔ ابوالہاشم کمرے میں داخل ہوا۔ رحانم نے جلدی سے اس سے پوچھا۔ ''بابا۔ کیا میں آپ کو چاول دے دوں؟''

''ابھی نہیں۔ بعد میں۔''

ابوالہاشم نے اپنے آپ میں اس ابوالہاشم کو پھر سے زندہ ہوتے دیکھا جو گرم جوش تھا اور جس کا گھر بار اور املاک ابھی سیلابی ریلے نے ہضم نہیں کی تھیں۔ ایک آدمی جس کی زمین تھی، ڈھیروں دھان تھا، ڈھور ڈنگروں کا ایک اصطبل، ایک فروغ پاتا ہوا مرغی خانہ جس میں سینکڑوں انڈے ہوا کرتے۔ وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کیسے کھا سکتا تھا جو محض اس کا بٹائی کرنے والا تھا۔ وہ جابد علی سے ذرا ہٹ کر بیٹھا اور اسے کھاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ یہ جوان جم کر کھانے والا آدمی تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس نے چاولوں کی دو رکابیاں صاف کر دی تھیں۔ رحانم نے اسے مزید چاول بھیجے اور شیرے کا ایک اور برتن............سکھ دیپ کھانے کا سامان پہنچانے کے

MashalBooks.org

لیے اندر باہر آ جا رہا تھا۔ رحانم دلچسپی سے دروازے کے عقب سے آدمی کو کھانا کھاتے دیکھ رہی تھی...... ہاں یقیناً یہ آدمی جی لگا کر کھانے والا ہے۔ اس کے سامنے بیٹھا ہوا سکھ دیپ اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب تک وہ اس سے پے در پے سوال پوچھتا رہا تھا لیکن اب وہ خاموش تھا بالکل ساکت.......... جابد علی نے پانی کا ایک جگ پی کر خالی جگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اور پانی طلب کیا۔

''ماں! اسے اور پانی چاہئے۔''

سکھ دیپ پانی لے کر کمرے میں گیا۔ جابد علی کھانا کھاتے ہوئے تین افراد کی نگاہیں خود پر محسوس کرتا رہا تھا لیکن اس سے اس کے کھانے کی رفتار پر فرق نہیں پڑا۔ اس کے برخلاف اس کے رویئے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی کارنامہ سرانجام دے رہا ہو اور جس سے ثابت ہوتا ہو کہ فتح کیسے حاصل کی جا سکتی ہے اور جس سے تم اپنا آپ ثابت کر سکتے ہو اور دوسروں کے سامنے سر اٹھا کر چل سکتے ہو۔ سکھ دیپ نے پانی سے بھرا جگ جابد کے سامنے رکھا اور اندر دوڑ گیا۔ وہ رحانم کے پاس پہنچا جس نے اسے پان کی تھالی تھما دی۔ تھالی کو اس کی مناسب جگہ پر رکھ کر وہ واپس اس کے پاس آیا اور اس سے نرمی سے پوچھا۔ ''ماں میں اس آدمی کو کس نام سے پکاروں؟''

''اسے چاچا بلاؤ۔''

''کیا وہ میرا چاچا ہے؟''

''نہیں وہ چاچا تو نہیں ہے لیکن تمھیں اسے اسی طرح بلانا چاہئے۔''

''ماں! میرا باپ کہاں ہے؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''یہ سوال اس آدمی نے مجھ سے پوچھا تھا۔''

''اس نے کیا پوچھا؟''

''میرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ جب اس نے سنا کہ میرا کوئی باپ نہیں ہے تو وہ مسکرا اٹھا۔ وہ کیوں مسکرایا تھا ماں؟''

''کیا میرے باپ کا نہ ہونا مذاق کی بات ہے؟''

رحانم سمجھ سکتی تھی کہ سکھ دیپ کو دکھ ہوا ہے۔ اب تک کسی نے اس سے اس کے باپ کے

بارے میں بات نہیں کی تھی۔ سب بڑے اس معاملہ کے بارے میں جانتے ہیں۔ چھوٹوں کو اپنے باپوں کی پروا نہیں تھی۔ اس سوال نے کہ اس کے باپ کی شناخت کیا ہے سکھ دیپ کے لیے کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا تھا۔ اس آدمی نے بچے کو اس حوالے سے کیوں مشتعل کیا؟ اس کے ارادے کیا ہیں؟ کیا وہ کوئی منصوبہ بنا رہا ہے؟ کیا جس فیصلہ پر وہ پہنچنا چاہتا ہے اس کے لیے سکھ دیپ کا لاولد ہونا کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے؟...... یہ تمام سوالات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو کر اسے پریشان کر رہے تھے۔ سکھ دیپ نے اپنے ہاتھ کو مسلتے ہوئے پوچھا۔ ''ماں! تم بولتی کیوں نہیں۔ کیا کسی کو اس بات پر میری ہنسی اڑانی چاہئے کہ میرا باپ نہیں ہے؟''

رحانم نے اسے تھپکایا۔ ''چھوڑ واسے اب اس معاملہ کو ختم کرو۔'' اس نے بھی سوچا کہ واقعی وہ آدمی سکھ دیپ پر اس لیے کیوں ہنسا کہ اس کا باپ نہیں ہے؟ کیا یہ کوئی ہنسا دینے والی بات ہے؟ یا دراصل اس آدمی کو اس بات سے خوشی ہوئی کہ سکھ دیپ کا کوئی باپ نہیں ہے؟ اس موقع پر ابوالہاشم اپنے کاندھے کے رومال کو مروڑتا ہوا مکان میں داخل ہوا۔ رحانم آہستگی سے اس کی جانب بڑھتی ہوئی بولی۔ ''بابا اس آدمی سے کہو کہ دوپہر کا کھانا وہ ہمارے ساتھ کھائے۔''

''کیا تم اسے مدعو کرنا چاہتی ہو؟''

''ہاں۔ آپ ایک زمین دار بن گئے ہیں یہ یقیناً ایک بڑی خبر ہے۔''

''تم خوش ہو؟'' ابوالہاشم کے تصور میں رنگ برنگی مچھلی ابھر کر جھلملائی۔ اس کے زردی مائل خاکستری جسم پر پڑے نقرئی چمکتے اندھر مانک سمندر میں ہزاروں ستاروں کی طرح جھلملائے۔ بلبلوں کی طرح ابھر کر گم ہوئے اور پھر ظاہر ہوتے ہوئے جگمگائے۔ آہ! کیا ملکوتی لطف ہے! ابوالہاشم اس قدر مضطرب تھا کہ اس کی بھنویں بار بار اچک کر اس کے ماتھے تک پہنچ رہی تھیں اور نتھنے پھڑک رہے تھے۔ ٹھیک اسی لمحے اس نے بلند گہری سانس لی اور بولا۔ ''الحمدللہ یعنی تمام رحمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

رحانم بری طرح الجھی ہوئی اس کے سامنے کھڑی تھی اسے ابھی تک اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔ اسے کچھ اندازہ بھی نہ تھا کہ ابوالہاشم کا جواب کیا ہوگا۔ ایک مناسب جواب حاصل کرنے کے لیے اس نے کہا۔ ''بابا میں نے برسوں سے پلاؤ نہیں پکایا ہے ہمارے پاس ایک کلو کے قریب چاول ہیں۔ آپ نے بھی ایک مدت سے مرغی نہیں کھائی۔''

ابوالہاشم کی نظریں رحانم کی درخشاں آنکھوں پر جم گئیں۔اس نے لڑکی کے لہجے میں ایک مختلف قسم کی جلد بازی محسوس کی۔اسے ایسا لگا جیسے زمین کے ایک بڑے ٹکڑے کے ملنے کی خبر نے رحانم کوخوشی کے ایک بے پایاں احساس سے بھر دیا ہے۔اگر مانی مالا زندہ ہوتی تو شاید وہ بھی اسی طرح خوش ہوتی۔اس نے رحانم سے گہری یگانگت محسوس کی۔اس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے رحانم سے دوپہر کے کھانے کے انتظامات کرنے کو کہا۔''میں اس سے کہہ دوں گا کہ دوپہر کا کھانا وہ ہمارے ساتھ کھائے۔لیکن خیال رکھنا کہ کہیں انڈے دینے والی مرغی کو ذبح نہ کر دینا۔اچھا اب مجھے کھانا دو میں بہت بھوکا ہوں۔''

رحانم نے اسے بھی چینی کی رکابی میں بھات دیا۔چاولوں کے ساتھ آملیٹ اور بھنی ہوئی مرچیں بھی تھیں۔ابوالہاشم کھانے کو دیکھ کر دھیمے سے مسکرایا۔رحانم نے پوچھا۔''بابا آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟''ابوالہاشم بلند آواز کے ساتھ چاول نگلتا رہا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

رحانم نے اس سے گفتگو میں مزید وقت ضائع نہیں کیا۔ابھی گھر کے کتنے ہی کام تھے جن کا کرنا باقی تھا۔اب تک تو کل رات استعمال کئے جانے والے برتن بھی نہیں دھلے تھے۔اس نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا تدھا۔دراصل اس کے لیے چاول بچے ہی نہیں تھے۔ویسے بھی اب اس کے پاس کھانے کے لیے وقت ہی کہاں بچا تھا۔اس نے خود سے کہا کہ کیا فرق پڑے گا اگر وہ ایک وقت کھانا نہیں کھائے گی۔اگر ایک وقت کھانا نہ کھایا تو مر تو نہیں جائے گی۔اس نے رمضان کے دنوں کو یاد کیا۔جن میں وہ سحری ہیں کیا کرتی تھی۔ایسا کئی مواقع پر ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کبھی روزہ رکھنے سے باز نہیں آتی تھی۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر آج کی صورت حال قطعی مختلف ہے۔اگر بالکل اچانک ہی صبح دم کوئی آدمی ان کے گھر آ جائے اور اس کی آمد کی کوئی اطلاع بھی نہ ہو تو گھر کے کسی نہ کسی فرد کو تو بھوکا رہنا ہی پڑتا ہے۔کیا اسی اخلاص اور فوری قربانی کا نام گھر ہے؟کسی ایسے کے لیے جو بے حد عزیز ہو شدید تر جذبات،اس کے بغیر گھر محض ایک مسکن رہ جاتا ہے۔صرف ایک ایسی جگہ جہاں وقت گزارا جا سکتا ہے۔نہیں مجھے ایسا گھر نہیں چاہئے۔گھر ایک ایسی جائے حرمت ہونا چاہئے جو محبت اور گرمجوشی کی تخلیق کرتا ہو۔ایک ایسی جگہ جس کی دل خواہش کرے،جس میں بے پناہ کشش ہو۔اس گھر کے بارے میں سوچتی ہوں جس کے وہ خواب دیکھتی تھی۔رحانم نیچے صحن میں آئی وہ کوشش کر رہی تھی کہ اس مرغی کا انتخاب کرے جسے اسے پکڑنا تھا۔

ماتا مرغی اپنے انڈے سہتے ہوئے کڑکڑا رہی تھی۔ رحانم اس کے نزدیک جا کر کھڑی ہو گئی۔ مرغی ایک انڈے پر ٹھوکر لگا رہی تھی۔ اسسے وہ چوزہ نکالے گی۔ انڈے کا چھلکا دو حصوں میں ٹوٹ گیا اور ایک چوزہ نکل آیا۔ وہ کپکپا رہا تھا۔ اس کے بے بال و پر جسم میں کپکپاہٹ تھی۔ رحانم نے اسے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ کتنا نرم! کس قدر نازک! رحانم کی ہتھیلی پر اس کا اپنا ایک وجود تھا۔ چوزے کا جسم اس کی ہتھیلی کی لکیروں سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے جسم پر آ ڑی ترچھی نیلگوں لکیروں کا جال سا ابھر رہا تھا۔ اس کی جلد اس قدر باریک تھی کہ اس کے جسم کے اندرونی اعضاء باہر سے صاف نظر آ رہے تھے۔ ماتا مرغی غصے سے اونچی آواز میں کڑکڑا رہی تھی۔ وہ رحانم کے خلاف اشتعال انگیز موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ اب وہ وہاں مزید نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ چوزہ کو زمین پر رکھتے ہوئے اس نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا۔ کیا تمام لکیریں واضح نظر آ رہی ہیں؟ اس نے اپنے ہاتھ سے ماتھے کو چھوا۔ شاید اس طرح سے وہ وہاں خوش نصیبی کا شگون رکھنا چاہتی تھی۔ اب اس کا مقدر ایک بار پھر مہربان ہونا چاہیئے ہاں واقعی! ایک اور بار......اس خیال نے رحانم کے دل کو کچل کر رکھ دیا۔ اس کا پورا بدن سن ہو رہا تھا۔ وہ مرغی کے ڈربے کے پاس سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ ایک وقت تھا جب اس نے بھی ایک انڈے کے ٹوٹے ہوئے خول سے ایک بچہ نکالا تھا۔ اور پھر؟ جھونپڑے کے اندر سے ابوالہاشم کی آواز نے اسے جاگتی آنکھوں خواب دیکھتے ہوئے چونکا دیا۔ اس کے باوجود رحانم اٹھ کھڑی ہونے کے قابل نہ تھی۔ ابوالہاشم کی پکار جاری تھی۔ ''او ماں۔ تم کہاں چلی گئیں؟ مجھے پانی دے دو۔

وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ بلاتا ہے تو بلاتا رہے۔ چاہے وہ مجھے پکار پکار کر ہلکان ہو جائے وہ اب اس کا جواب نہیں دے گی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ابوالہاشم پر اس کا دارومدار اب مزید محیط رہے کیونکہ یہ بے معنی بات ہے کہ اپنے حقیقی گھر سے نکال جانے کے بعد ایسی زندگی گزاری جائے۔ اس نے ایک مرغی پکڑی اور اسے ذبح کرانے کے لیے ایک پڑوسی کے گھر چلی گئی۔ اس کے عقب میں اب ابوالہاشم کی پکار معدوم ہو چکی تھی۔

دوپہر کے کھانے کا انتظام خوش سلیقگی سے کیا گیا تھا۔ پلاؤ کی مہک ہوا میں گھلی ہوئی تھی۔ سکھ دیپ بے حد خوش تھا۔ جب تک کھانا پکتا رہا وہ رحانم کے اردگرد منڈلاتا رہا۔ اس نے اس کے بہت سے چھوٹے موٹے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔ اس کے بعد جیسے ہی اسے موقع ملا وہ جابد علی کے

پاس جا پہنچا۔

رحانم نے جان بوجھ کر خود کھانا پیش کیا۔ اس نے دوپہر کو اپنی اس ساری بے باکی کو یک جا کیا جسے وہ صبح مجتمع کرنے میں ناکام رہی تھی۔ آخر وہ کیوں آزاد اور بے باکی سے نہ رہے۔ ایک زمانے سے اسے اپنے پیاروں کو ان کے روبرو بیٹھ کر محبت سے کھانا کھلانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ آہ! کتنی مدت گزری جب اس نے یہ سب کیا تھا۔ یادیں جو کبھی اتنی تازہ تھیں اب کب کی مرجھا چکی تھیں۔ اس کے باوجود کہ وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسے احساس تھا کہ جابد علی کی تیز نظریں اس کے اوپر ہیں۔ اس کی ان بڑی بڑی گول آنکھوں میں ایک مقناطیسی کشش تھی۔ ایک ایسی فسول گری جیسی سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے کسی مچھیرے کی آنکھوں میں در آتی ہے۔ مچھیرے عام طور پر طوفان اور بارش کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ سراسر خطرناک اشاروں اور موت سے فراموش کاری ہے۔ اس کے لیے جابد علی بھی اب ایک ایسے ہی سمندر کی طرح تھا۔ اس نے بھی رحانم کو خطرے کا اشارہ دے دیا تھا۔ جب وہ اسے چاول اور گوشت کی پلیٹ پیش کر رہی تھی تو اس نے کن انکھیوں سے جابد علی پر نظر ڈالی۔ جس نے ایک خفیف سی مسکراہٹ سے اس کا جواب دیا۔ اس کی مسکراہٹ اتنی مدھم تھی کہ شاید ہی کوئی اس کا نوٹس لے سکتا تھا۔ یہ صرف رحانم کے لیے لائق دید تھی۔

ابوالہاشم ذرا فاصلہ پر ایک نچلے لکڑی کے اسٹول پر بیٹھا تھا۔ رحانم کا چہرا اس کے نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس لیے ابوالہاشم کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ رحانم کے چہرے سے یہ اندازہ لگا سکتا کہ اس کے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ رحانم کی خوشی زمینی جائیداد کے مل جانے کی خبر کی وجہ سے ہے۔ وہ جابد علی سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کر رہا تھا۔ جابد علی بے حد مختصر جواب دے رہا تھا۔ اکثر وہ جوابات دینے کے لیے سر کی محض ایک جنبش سے کام لے رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شاید وہ گفتگو کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ رحانم کا اندازہ تھا کہ وہ اس طرف قطعی متوجہ نہیں ہے۔ اس وقت اس کی تمام توجہ کھانے اور رحانم پر تھی۔ اس نے اس قدر لذیذ کھانا مدت سے نہیں کھایا تھا۔ ایک ڈیڑھ سال قبل اس کی بیوی کی وفات کے بعد سے اب تک سوائے اس کی ماں کے کسی اور نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا تو اس دن سوائے جابد علی کے اور کون تھا جو خوش ہوتا؟

سکھ دیپ اسی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا وہ پلاؤ کے ساتھ مرغی کھانے پر بے حد خوش تھا۔ وہ کھانے میں اس قدر منہمک تھا کہ شاید ہی کوئی اور چیز اسے متوجہ کر سکتی تھی۔ ان دونوں نے ایک ساتھ تالاب میں غسل کیا تھا اور بہت سی باتیں کی تھیں۔ آج کا بہت سا وقت انہوں نے ساتھ ساتھ گزارا تھا۔ جابد علی کا خیال تھا کہ رحانم اس کی ماں ہے اور کہ اس کا باپ لاپتہ ہے اور جس کے بارے میں یہ دونوں بے خبر ہیں لیکن اب بھی اس بارے میں جابد علی کا ذہن پوری طرح صاف نہیں تھا۔ اس کا تاثر تھا کہ رحانم اپنے رویہ میں ایک قطعی مختلف لڑکی ہے۔ وہ اس کو کن انکھیوں سے سکھتے ہوئے کسی کنواری کی طرح شرماتی تھی.......... ایک شادی شدہ عورت کی آزادانہ اور بے حجابانہ حرکات اس میں قطعی مفقود تھیں۔ کہیں حقیقت اور جو کچھ اس کے بارے میں وہ سمجھ سکا تھا کوئی درز رہ گئی تھی۔ اس لیے رحانم اس کے لیے کسی حد تک ایک اسرار کا درجہ رکھتی تھی۔ اس کے اردگرد اجنبیت کا ایک ہالہ سا حلقہ کیے ہوئے تھا۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ اسے شادی شدہ زندگی کا کوئی طویل تجربہ حاصل نہیں ہے۔ ایک مکمل عورت کے طور پر اس کی نشوونما شاید ابتدائی مراحل میں ہی ٹھہر گئی تھی۔ جابد علی جاننا چاہتا تھا کہ یہ سب کیوں کر ہوا تھا۔

جابد علی نے اپنی رکابی کا پلاؤ اور شوربہ ختم کیا تو رحانم نے اس کی رکابی تازہ چاولوں سے بھر دی۔ جب وہ شوربہ دے رہی تھی تو اس کا ہاتھ کانپا اور شوربہ چھلک کر پلیٹ پر بکھر گیا۔ ابوالہاشم نے بلند آواز میں غصہ سے کہا۔ ''یہ تم نے کیا کر دیا ماں؟ کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا؟ کیا تم میں بالکل بھی جان نہیں رہی؟ یہ تمہارے ہاتھ کیوں کپکپا رہے ہیں؟''

رحانم پر ابوالہاشم کی شدید ڈانٹ پھٹکار سے جابد علی بھنا گیا۔ ''چاچا بس اب ختم بھی کرو۔ ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔'' جابد علی نے شیریں لہجہ میں کہا۔

''نہیں، نہیں اسے یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ عورت کو محتاط رہنا چاہئے۔'' صاف پتہ لگ رہا تھا کہ ابوالہاشم واقعی برہم ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اب رحانم وہاں موجود نہ رہے۔ اس کا اندازہ لگا کر رحانم اندر سے بجھ گئی۔ وہ یقیناً ابوالہاشم کا منہ توڑ جواب دے گی۔ اگر اس کی ہتھیلی پر خوش بختی کی علامت ابھر آئی۔ وہ ابوالہاشم کی ڈانٹ پھٹکار کو خاموشی سے سہہ گئی تھی۔ اس نے اپنے کسی رویے سے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اندر سے دکھی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی بھی حالت میں اپنے غصے کا اظہار نہیں کرے گی یہاں تک کہ وہ اپنی بھنویں تک نہیں اچکائے گی۔ ایک نادر ذہنی قوت کی

مدد سے اس نے خود کو روکے رکھا اور اپنے دکھ کے احساس کو اپنی نظروں تک سے ظاہر نہ ہونے دیا کہ شاید جابد علی کو یہ اچھا معلوم نہ ہو۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ جابد علی بھی ابوالہاشم سے ناخوش تھا۔ اس کے بعد ابوالہاشم نے جابد علی پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ ''کھاؤ بیٹا کھاؤ نا۔ ماں! اسے گوشت کے دو اور ٹکڑے دو۔ میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم ایک چھوٹے سے بچے تھے۔ ہماری ایک مدت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تمہارا باپ کیسا ہے؟''

''جی، ٹھیک ہے۔''

''تمہارے خاندان میں کتنے لوگ ہیں؟''

''میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میری شادی ہوگئی تھی لیکن میری بیوی گزشتہ برس فوت ہو گئی۔ بچے بھی نہیں ہیں۔''

''اوہ! کیسے دکھ کی بات ہے۔''

جابد علی دھیمے سے مسکرایا۔ رحانم نے ابوالہاشم سے نظر بچا کر جابد علی کے چہرے کو دیکھا۔ نرمی سے مسکراتے رہنا جابد علی کی عادت معلوم ہوتی تھی۔ اسے یہ ادا پسند تھی۔ رحانم جان رہی تھی کہ یہ آدمی مسلسل اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے...... دن جیسے جیسے گزر رہا تھا وہ اس سے اتنی ہی مسحور ہوتی جا رہی تھی۔ اب جب کہ وہ سن چکی تھی کہ جابد علی کی بیوی ہے نہ بچے تو اسے اپنے سینے پر سے ایک بھاری بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور ایک طاقتور خوشی کی لہر اس خلائی کو پر کر رہی تھی۔ ٹھیک اسی لمحہ اس نے ایک فیصلہ کیا حالانکہ یہ ایک مشکل معاملہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جابد علی یہ حقیقت جان لے کہ وہ سکھ دیپ کی ماں نہیں ہے۔ کسی سکھ دیپ کو دیوار بن جانے یا انہیں علیحدہ کر دینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا نہ کوئی گہری وابستگی جو پیچھے سے اس کا دامن تھام لیتی۔ وہ تنہا تھی۔ قطعی اکیلی۔ اس طرح کی خوش خبری کہ جابد علی کی بیوی ہے نہ بچے آج کے دن کے لیے ایک اثاثے کا درجہ رکھتی تھی۔ کیا شاندار دن تھا۔ اس کی ہتھیلی پر یقیناً خوش بختی کی علامت ظاہر ہو چکی تھی لیکن وہ اسے دیکھنے سے قاصر تھی۔ اسے دیکھنا ضروری بھی نہیں تھا۔ خوش نصیبی خواہ جیسی بھی ہو اسے قدم جمانے کی اجازت ہونی چاہئے۔ یہ ہی کافی ہے۔

''کیا میں تمہیں اور پلاؤ دوں؟'' وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی کہ ابوالہاشم اسے نہ سن سکے۔''

''ہاں ضرور، شکریہ۔'' جابد علی نے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ وہ بھی یہ ہی چاہتا تھا کہ ابوالہاشم اس کی آواز نہ سنے لیکن وہ ابوالہاشم سے یہ سب کچھ پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہ واقعہ ابوالہاشم کی تیز نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔ وہ اس مختصر ڈرامے کی معنویت کو خوب سمجھ سکتا تھا۔

رحانم نے پلاؤ سے پلیٹ بھری۔ اس نے انڈے ناریل کے دودھ، مرغی کے شوربے اور تلے ہوئے جھینگوں کے ساتھ پکائے تھے۔ رحانم نے جابد علی کو دو انڈے اور دیئے۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس وقت کے کھانے میں سے بھی اس کے لیے کچھ زیادہ نہیں بچے گا۔ اگر بہت ہوا تو بس مرغی کی گردن۔ بازو یا گردہ۔......لیکن کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ کم از کم یہ تو ہے کہ اس طرح وہ ایک ایسے آدمی کو خوش کر سکتی ہے۔ جس کی خوشی اس کے لیے بے حد مقدم ہے اور جس کے لیے وہ شدت سے آرزومند ہے کہ اس کی اپنی خوشی اس آدمی کی خوشی کے ساتھ شناخت کی جائے۔

ابوالہاشم مسلسل تمباکو نوشی کر رہا تھا۔ وہ ایک کے بعد دوسری بیڑی سلگا لیتا۔ عام طور پر وہ ایسے تسلسل سے تمباکو نوشی نہیں کیا کرتا تھا لیکن آج وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔ تمباکو نوشی میں یہ اضافہ اسے ایک طرح کی ذہنی قوت فراہم کر رہا تھا۔ وہ بیڑی کے کشوں کے ساتھ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر رحانم پر ڈالی اور پھر سکھ دیپ کو بھی ایک نئے انداز سے دیکھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر رحانم کی آنکھوں میں جابد علی سما گیا تو وہ اس خاندان کو کوئی اہمیت نہیں دے گی۔ وہ اگر ایسا کرے گی تو چاہے کرے۔ یہ ایک اچھا شگون ہوگا۔ اس موقع پر رحانم کا چہرا اس کے لیے اتنا ہی بے قیمت ہو گیا جیسا کہ ایک ایسا لاوارث ٹرالر جسے طوفانی لہریں یہاں پہنچ گئی ہوں۔ جو جگہ جگہ سے کچل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہو۔ کسی بے حیثیت چیز جیسا جسے اگر آگ دکھا دی جائے تو وہ راکھ ہو سکتا ہے اس کی نظر ایک بار پھر سکھ دیپ کے چہرے پر جا کر جم گئی۔ وہ ایسا بے حقیقت لگ رہا تھا جیسے کوئی کیکڑا جو کسی کے قدموں تلے آ کر کچل گیا ہو جسے آسانی سے ٹانگ سے پکڑ کر سمندر میں پھینکا جا سکتا ہو۔ ایک آدمی جس کی زمین سمندر کے پاتال سے ابھر آئی ہو۔ وہ پرانی پیوندکاری کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اسے ہر چیز ایک نئی ترتیب سے جمانی پڑتی ہے۔ اس کا چہرا مسکراہٹ سے دمک اٹھا اور باچھیں ایک کان سے دوسرے کان تک کھنچ آئیں وہ بولا۔ ''باجان آج رات میری ساتھ ٹھہر جاؤ کل صبح سویرے میں تمہارے ساتھ زمین کا نیا ٹکڑا دیکھنے جاؤں گا۔''

رحانم چونک اٹھی۔ اس نے بہ غور ابوالہاشم کے چہرے کو دیکھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے

چہرے پر آڑی ترچھی لکیریں کھنچ آئی ہیں جیسی کیکڑے کے ریت پر چلنے سے ابھر آتی ہیں۔ اس کی بھنویں آپس میں مل گئیں اور ان کے درمیان ایک سوالیہ نشان سا بن گیا۔ شاید اس لیے اس کی آنکھیں مندسی گئیں تھیں۔ ابوالہاشم نے جابدعلی کو رات کو یہاں رک جانے کے لیے کہا؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا ایسا اس نے محض اس لیے کیا تاکہ کل جب وہ زمین دیکھنے جائے تو جابدعلی اس کے ہمراہ ہو۔ یا اس کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد بھی ہے؟ اس سے قبل کہ رحانم کوئی اندازہ لگا سکتی۔ جابدعلی نے خوشی سے سر ہلایا جس سے اس کی آمادگی ظاہر ہوتی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! چاچا تم درست کہتے ہو تمہیں وہاں ضرور جانا چاہئے۔''

اس تبصرے کے دوران اس نے رحانم سے نظروں کا تبادلہ کیا۔ رحانم کے لبوں پر ایک باریک سی مسکراہٹ تھی۔ تقریباً ناقابل قیاس۔ وہ اس وقت تک نظر ہی نہیں آسکتی تھی جب تک کوئی اسے نہایت غور سے نہ دیکھتا۔ اسی لیے وہ جابدعلی کی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ دکھ، جو اس کی بیوی کے انتقال کے بعد اس کے ذہن میں جم کر رہ گیا تھا اس نے اس لمحے سے جیسے پگھلنا شروع کر دیا۔ اس نے اطمینان محسوس کیا کہ آخر اسے کوئی مل ہی گیا تھا۔ ایک شخص جو دوسروں سے بڑی حد تک مختلف تھا جس نے براہ راست نہ سہی لیکن ایک مخصوص انداز میں ظاہر کر دیا ہے کہ وہ محض ایک گھریلو عورت نہیں ہے اور شاید جو ایک بچے کو جنم دیتے ہوئے ہلاک نہیں ہوسکتی۔ دوپہر کو ابوالہاشم جابدعلی کے ہمراہ بازار چلا گیا۔ گھر میں چاولوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ رحانم نے چاولوں اور کھجور کے شیرے کی پڈنگ تیار کی۔ سکھ دیپ اس کے نزدیک ہی بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں لالچ تھی۔ وہ بے قراری سے پڈنگ کے تیار ہو جانے کا انتظار کر رہا تدھا۔ رحانم سکھ دیپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیونکہ وہ خود کو اس سے علیحدگی کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھی تاکہ وہ خود اپنے لیے خوشی حاصل کر سکے۔ وہ بھی اب وہی کرنا چاہتی تھی جو دوسرے کیا کرتے تھے۔ جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ دراصل وہ کس چیز کے آرزومند تھے۔ اگر وہ کامیاب ہوگئی تو وہ جابدعلی کے ساتھ لچپالی چلی جائے گی۔ وہ گاؤں جس کے نزدیک زمین کا ایک نیا ٹکڑا سمندر میں سے ابھر آیا ہے اور ان تک جو آدمی اس حقیقت کی خبر لے کر آیا ہے وہ اس کے لیے خوش بختی کی علامت بن گیا ہے۔ اس نے دیگچی چولہے پر سے اتاری۔ کھجور کے شیرے کی خوشبو نہایت اشتہا انگیز تھی۔ سکھ دیپ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ماں! کیا مجھے

MashalBooks.org

تھوڑی سی پڈنگ ملے گی؟''

''ماں! تمہاری ماں کون ہے؟'' رحانم چونک پڑی جب یہ الفاظ اس کے لبوں پر آئے لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پا لیا۔ کتنے کی بات ہے! یہ کیسی سنگ دلانہ کوشش ہے وہ کیسے یہ تصور کرتی ہے کہ وہ ایک کنواری بن جائے گی۔ اگر وہ اس لڑکے کو اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دے گی؟ کیا وہ ایک کنواری ہے؟ جابد علی کے ساتھ اس کی زندگی اس نئے پن سے ہمیشہ محروم رہے گی وہ تازگی جو عموماً ایک کنواری لڑکی کو اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اس کی شادی ہوتی ہے اور فرض کیا' جابد علی اسے قبول نہیں کرتا...... پھر؟ رحانم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''ماں! تم کیوں رو رہی ہو؟''

رحانم کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ جواب کے بجائے اس نے ایک چھوٹے سے پیالے میں اسے چالوں کی پڈنگ دے دی۔ وہ پڈنگ لے کر برآمدے میں چلا گیا۔ وہ جب بھی کوئی مزے دار چیز کھاتا تھا تو اس کے منہ سے چپڑ چپڑ کی دھیمی آواز نکلتی تھی۔ رحانم کو اس آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ لڑکے کو پڈنگ پسند آئی ہے۔ وہ چولہا بند کر کے سکھ دیپ کے نزدیک آ بیٹھی جو پڈنگ کھا چکا تھا بعد میں اس نے چاٹ کر پیالہ صاف کیا اور رحانم سے بولا ''ماں یہ بڑی مزے کی تھی۔''

رحانم نے نرمی سے مسکراتے ہوئے پوچھا کیا اسے اور پڈنگ چاہئے؟ خوشی سے سر ہلاتے ہوئے اس نے خالی پیالہ رحانم کی طرف بڑھا دیا۔ ''ہاں''

''میرے ساتھ آؤ۔''

اچانک اسے خیال آیا کہ آج خوب کھلا پلا کر اسے لڑکے کو خوش رکھنا چاہئے۔ یہ دکھ کی بات ہے کہ کل سے اس کی دیکھ بھال کرنے کے لیے ایک ماں نہیں ہوگی۔ کیا پھر وہ کسی اور عورت سے ملے گا جو اس کے منہ کے قریب اپنی چھاتی لے آئے گی جیسا کہ خود اس نے کیا تھا؟ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر یہ کیا کرے گا؟ چھوڑو اسے وہ اکیلی کیوں اس بارے میں ہلکان ہوتی رہے؟ بہتر ہے کہ مقدر کے لکھے کا انتظار کیا جائے۔ وہ دونوں پڈنگ کا پیالہ اٹھائے برآمدے میں آ گئے۔ ''ماں کیا تم تھوڑا نہیں کھاؤ گی؟''

''نہیں اچھی نہیں۔''

MashalBooks.org

''کیا تم مہمان کے ساتھ کھاؤ گی؟''

رحانم نے اس سوال کا جواب دینے سے اجتناب برتا۔ ''کتنا مزا آئے اگر ایسا مہمان ہر روز ہمارے گھر آئے۔ پیاری ماں پھر تم کتنی ہی اور چیزیں پکاؤ۔'' سکھ دیپ نے اپنی بات بڑھائی۔

''چپ رہو۔ شیطان'' رحانم قطعی ناراض نہیں تھی بلکہ وہ تو لڑکے سے لاڈ کر رہی تھی۔ ہاں اس کی زبان نے یہ طرز اختیار کی تھی۔

پورا پیالہ ختم کر کے سکھ دیپ نے پوچھا۔ ''پیاری ماں آج تم اتنی خوش کیوں ہو؟ یقیناً آج عید تو نہیں ہے پھر کیا خاص بات ہے؟''

''صرف باتیں...... ایک کے بعد دوسری' بس چپ رہو'' رحانم نے اسے ڈانٹا پھر وہ برآمدے میں اتر کر گیٹ تک گئی۔ وہ اب تک کیوں نہیں لوٹے۔''

اندھیرا پھیلنے کے بعد جابد علی تنہا گھر واپس آیا۔ اس کے ہاتھوں میں دو بڑی ہلشا مچھلیاں تھیں۔ صحن چاندنی میں نہایا ہوا تھا۔ رحانم نے چاول دم دے لیے تھے اور اب باورچی خانے کے دروازے پر بیٹھی مچھلی کا انتظار کر رہی تھی۔ سکھ دیپ کچھ گاتا ہوا پورے صحن میں بھاگا پھر رہا تھا۔ اس نے مہمان کو دروازے میں داخل ہوتے دیکھا جو سیدھا باورچی خانے کے دروازے پر آیا اور اس کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے رحانم کو مچھلیاں دیں اور کہا چاچا کو لوٹنے میں دیر ہو جائے گی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' رحانم نے پریشان لہجہ میں سوال کیا حالانکہ صرف جابد علی ہی اسے شرمندگی کے اس احساس سے بچا سکتا تھا جو خلوت میں اس کی کوششوں کے باعث پیدا ہو گیا تھا ورنہ وہ تنہا خود پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی۔

جابد علی باورچی خانے کے دروازے پر لکڑی کا ایک نیچا اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا اور پوچھا۔ ''کیا تم میری موجودگی سے خوفزدہ ہو کیونکہ بابا یہاں نہیں ہے؟''

رحانم نے اپنی ہمت مجتمع کر کے کہا ''میں کیوں ڈروں گی؟ کیا تم میرے ساتھ نہیں ہو؟''

جابد علی یہ کہتے ہوئے زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ''میں نے سوچا کہ شاید تم مجھ سے خوفزدہ ہو گی جب تمہارے بابا یہاں نہیں ہوں گے۔ کیا میں ایک شیر یا ریچھ نہیں ہوں؟''

''کیا میں نے ایسا کہا؟''

''نہیں، نہیں تم ایسا کیوں کہو گی۔'' جابد علی ایک بار پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ خاموشی نہیں تھی۔ اس بار ایک زر دیدہ مسکراہٹ...... جب شام ڈھلتی ہے۔ جب صحن چاندنی میں جگمگاتا ہے۔ تب ایک مرد پر یہ واجب نہیں ہوتا کہ وہ محض مسکرائے۔ تب اس مسکراہٹ کو قہقہے کا روپ دھار لینا چاہئے۔ جابد علی مستقل اسی جگہ بیٹھا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ رحانم تھوڑی سی پریشان ہے۔ یہ کہنا فضول ہے کہ وہ جابد علی کے اودھم مچا دینے والے قہقہوں سے چکرائی ہوئی تھی اور اس کا اندرون تیزی سے اتھل پتھل ہو رہا تھا۔ وہ ایسے لمحے میں خود کو کیسے ٹھنڈا رکھ سکتی تھی جب اتنے لاتعداد دنوں کے بعد وہ کسی مرد سے ایسے قریبی رابطے میں تھی؟ اگر وہ ہاتھ بڑھا کر چاہتا تو اسے چھو سکتا تھا۔ سوائے ایک بچے کے گھر میں کوئی اور نہ تھا۔ کوئی تعجب نہیں اگر اس کے دل میں اس کی طلب بھی ہو۔ اب اس پر واضح ہو گیا تھا کہ اس شخص نے اپنے حوالے سے شیر یا ریچھ کا تذکرہ کیوں کیا تھا؟ رحانم خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئی۔ اس کی آواز میں تیزی کی ایک لہر سمائی ہوئی تھی۔ جب اس نے کہا ''مہربانی کر کے ادھر بیٹھ جاؤ۔''

''کیوں میرے یہاں بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟''

''بابا، کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔''

''ہم اس سے خوف کیوں کھائیں؟ جابد علی نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

''میں قطعی خوف زدہ نہیں ہوں لیکن مجھے تمہارے اتنے نزدیک بیٹھتے ہوئے لاج آتی ہے۔'' وہ اتنا شرما رہی تھی کہ اس کا سر اس کے گھٹنوں سے جا لگا تھا۔

''میں تم سے فاصلہ رکھ کر کیوں بیٹھوں؟ میں تو تمہارے برابر بیٹھنا چاہتا ہوں۔''

رحانم نے ایک تیز نظر جابد علی کے چہرے پر ڈالی۔ اندھیرے میں وہ واضح نہیں تھا لیکن اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں وہ دیکھ سکتی تھی۔ اس نے چولہے کی دھیمی سی روشنی میں دیکھا کہ جابد علی کی نظروں میں سوئی جیسی تیزی تھی۔ اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

''تم شرما کیوں رہی ہو؟'' جابد علی نے پوچھا۔ ''آخر تم کس بات پر شرمندہ ہو؟'' اس نے اس کے دونوں بازو تھام رکھے تھے۔ جب وہ یہ الفاظ ادا کر رہا تھا۔ اس نے گہری آواز میں اپنی بات جاری رکھی۔ ''میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو؟ کیا نہیں؟''

''ہاں تم جانتے ہو؟'' رحانم نے بلا جھجک اعتراف کیا پھر وہ بولی؟'' مجھے جانے دو۔ مجھے کپڑے بدلنے ہیں اور مچھلی کاٹنی ہے ورنہ اس کے پکانے میں دیر ہو جائے گی۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا اگر دیر ہو جائے گی۔''

''کیا تم بھوکے نہیں رہو گے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔''

''سکھ دیپ کو اگر بھوک لگی تو وہ روئے گا۔''

''اسے رونے دو۔''

''پکانے میں اگر دیر ہوئی تو بابا غصہ ہو گا۔''

''ہونے دو انہیں غصہ۔''

ایک اچانک مسکراہٹ سے رحانم کا چہرا جگمگا اٹھا۔ جابد علی کی آواز میں ایک بچے کی سی ہٹ تھی۔ وہ بچگانہ لہجے میں ضد کر رہا تھا۔ اس کی نظروں میں شرارت تھی اس کی گرفت میں رحانم کے ہاتھ پسینے پسینے ہو رہے تھے۔

جابد علی نے کہا۔ ''فرض کرو میں تمہیں نہ جانے دوں۔ نہیں، میں نہیں جانے دوں گا۔ میں اسی طرح تمہارے بازو تھامے ہوئے تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''آہ مجھے جانے دو سکھ دیپ ہمیں اس حالت میں دیکھ سکتا ہے۔''

اس پر جابد علی نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور اس سے پوچھا۔ ''اس کا باپ کب مرا تھا؟''

''وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔''

''تمہارا بیٹا نہیں ہے؟''

''نہیں؟''

''بڑی زبردست خبر ہے۔ اچھا ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر تمہارے ساتھ شادی کرنے میں میرے لیے رکاوٹ کیا ہے؟ میرے والدین کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ایک بات اور سکھ دیپ تمہیں ماں کیوں کہتا ہے؟'' اس پر رحانم نے جابد علی کو اس تباہ کن سیلاب کی کہانی سنائی جو اس تباہ کن رات میں آیا تھا۔

جب جابد علی نے سن لیا کہ رحانم کے ساتھ کیا ہوا تھا تو اس نے کہا ''میرے خاندان کے

کسی فرد پر یہ مت ظاہر کرنا کہ تمہاری پہلے شادی ہو چکی ہے۔''

پھر وہ سیٹی بجاتا ہوا صحن میں گیا۔ اس نے سکھ دیپ کو یہاں وہاں تلاش کیا۔ وہ کہیں باہر گیا ہوگا۔ یا پھر گھاٹ پر۔ جابد علی نے زور سے سکھ دیپ کو آواز دی۔

رحانم نے ایک لمبے سے چھرے سے مچھلی کے پارچے بنانا شروع کر دیئے۔ وہ مچھلی تازہ تھی۔ بگدے کے ہروار پر مچھلی سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے مچھلی کے پیٹ سے بڑے سائز کے انڈے نکالے اور مچھلی کے پیٹ کی غلاظت صاف کی۔ اس نے پتا نکالنے میں خصوصی احتیاط سے کام لیا کیونکہ اگر وہ پھٹ جاتا تو مچھلی کا ذائقہ خراب ہو جاتا۔ میں جابد علی کو ایسی بدمزہ مچھلی تو نہیں دے سکتی۔ اس نے ایک بڑے برتن میں مچھلی کے قتلوں کو دھویا۔ وہ ان میں سے کچھ کو تل لے گی جبکہ باقی کا شوربہ بنائے گی۔ انڈوں کی دو جوڑیوں کو وہ ہلکا سا سینک لے گی اور پھر ان میں ڈھیر ساری پیاز اور ہری مرچیں ملائے گی۔ اس طرح یہ ایک زبردست ڈش بن جائے گی۔ پورا گھر تازہ مچھلی کی مہک سے بھرا ہوا تھا۔ بہت دنوں بعد گھر میں ایک تہوار کی سی فضا ہے۔ رحانم سوچ رہی تھی۔

ان تمام گھریلو سرگرمیوں کے دوران سکھ دیپ جابد علی کی آواز سن کر اس کے پاس پہنچا۔ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے سکھ دیپ نے پوچھا۔ ''تم مجھے کیوں پکار رہے ہو؟'' ''تم کہاں تھے؟'' سکھ دیپ جواب دینے کے بجائے زور سے ہنسنے لگا۔ وہ نمدے پر بیٹھ گئے۔

''کیا تمہیں اسکول نہیں جانا؟ کیا تم پڑھتے نہیں ہو؟''

''نہیں، میں اسکول نہیں جاتا۔''

''کیوں؟''

''کیا تم کل بھی رکو گے؟''

''نہیں کل میں واپس جاؤں گا۔''

پھر سکھ دیپ نے اپنی گردن کے گرد بازوؤں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر کہا آج تہوار کا دن لگتا ہے۔ ماں بہت سی چیزیں پکا رہی ہے۔ تم مجھے کوئی کہانی سناؤ۔

''کہانی'' جابد علی کی آنکھیں سفا کی سے چمک اٹھیں۔ اس نے کچھ دیر قبل رحانم سے ایک کہانی سنی تھی۔ لڑکا اس کہانی سے بے خبر تھا۔ لیکن اسے یہ کہانی معلوم ہونی چاہیئے۔ جب یہ کام

مکمل ہو جائے گا تو وہ رحانم کے ساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکے گا۔ یہ سوچ کر اس نے کہانی بیان کرنی شروع کر دی۔ وہ اس بے رحم اور خوفناک رات کی کہانی بڑی تفصیل سے سنا رہا تھا۔ کہانی کی پرتیں اتارتے ہوئے وہ نہایت احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ کسی پری کی کہانی نہیں تھی بلکہ ایک مختلف زندگی کی کتھا تھی۔ جس سے لڑکا قطعی مانوس نہیں تھا۔ وہ چڑھی ہوئی سانسوں کے ساتھ جابدعلی کا چہرا تک رہا تھا۔ وہ جیسے آنکھیں جھپکانا ہی بھول گیا تھا۔ اس کی ساکت پتلیاں قصہ گو کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کی آواز اس سے حلق میں اٹک گئی تھی۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ اس کہانی کا ہیرو وہ خود ہے۔ سوا سے اپنے دل اس لڑکے کے لیے لیے ہمدردی سے ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا جسے طاقتور سیلابی لہریں اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں تھیں۔ اس کا چہرا خوشی سے دمک اٹھا جب اس لڑکے کو ایک ماں مل گئی۔ جابدعلی کہانی کو کئی موڑ دے رہا تھا جس میں سے ہر موڑ کی بہت سی تفصیلات تھیں۔ ڈرامائی لمحوں میں کبھی اس کی آواز بلند ہو جاتی اور کبھی دھیمی ہوتی۔ کبھی وہ آواز کو ہموار کر لیتا اور اس میں سفاکی در آتی۔ جب اس کی آواز سفاک ہو جاتی تو سکھ دیپ خوفزدہ ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیتا۔ کہانی کے خوش گوار لمحوں میں وہ جابدعلی کا ہاتھ چھوڑ دیتا۔ رحانم کھانا پکانے میں مشغول تھی۔ باورچی خانے کی طرح طرح کی آوازوں کے باعث وہ اس ڈرامے سے بے خبر تھی جسے جابدعلی نے باہر رچا رکھا تھا۔ اس کھیل سے رحانم کی موجودہ زندگی میں تیزی سے تبدیلی آ رہی تھی۔ وہ سکھ دیپ کو کھو دینے کے بہت نزدیک تھی لیکن وہ جس نئی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ سکھ دیپ کے والدین کے راز پر سے پردہ بھی اٹھا دیتی۔

جب کہانی کے اختتام پر سکھ دیپ کو معلوم ہوا کہ جس کی کہانی اسے سنائی گئی وہ کوئی اور نہیں۔ وہ خود ہے تو وہ بلند آواز سے رو پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ جھوٹ ہے نرا جھوٹ۔ تم نے یہ جھوٹ کیوں بولا۔''

''نہیں یہ جھوٹ نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔'' جابدعلی سانپ کی طرح پھنکارا۔ اب وہ اتنا ہی سفاک ہو چکا تھا جتنا کہ کوئی جلاد ہو سکتا ہے۔ اس نے اسی ظالمانہ لہجہ میں اپنی بات جاری رکھی۔ ''تمہارا نہ کوئی باپ تھا اور نہ ہی ماں۔ کوئی بھی نہیں۔ تم ایک بے ماں باپ کے بچے ہو۔''

سکھ دیپ باورچی خانے کی طرف لپکا۔ ''ماں' کیا تم میری ماں نہیں ہو؟''

رحانم کے سینے میں درد کی لہر سی اٹھی۔ اس سے فوراً جواب نہ بن پڑا۔ حالانکہ جواب اس کے ذہن میں مچل رہا تھا۔ وہ واقعتاً اس سوال کا سیدھا جواب دینے سے قاصر تھی۔ وہ سکھ دیپ سے اتنی جلدی تعلق توڑ کر ایسا سنگدلانہ جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے لیے یہ بھولنا ممکن نہ تھا کہ ابھی کل تک سکھ دیپ اس کی چھاتیوں سے زندگی کشید کرتا رہا ہے۔ سکھ دیپ نے سوائے اس کے کسی کو بھی کبھی پسند نہیں کیا تھا یہاں تک کہ وہ اسے ماں کہہ کر پکارتا تھا اسے کبھی بھی یہ احساس نہ ہوتا کہ وہ اس کی ماں نہیں ہے۔ اگر ایسا تھا تو کیسے وہ ہر چیز کو اتنی جلدی مسترد کر کے اس سے لاتعلق ہو سکتی تھی۔ نہیں، اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ سکھ دیپ کے سوال کا درست جواب دے سکے۔

اپنی ماں کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر سکھ دیپ ایک بار پھر جابد علی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ یہ کہتے ہوئے زور زور سے رونے لگا۔ ''تم مردود کی اولاد تمہارا اس معاملہ سے کیا تعلق ہے۔ اگر میں ایک بے ماں باپ کا بچہ ہوں؟ تم کون ہوتے ہو مجھے لاولد کہنے والے؟

ماں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا ہے؟''

جابد علی نے اس کی کمر پر دھپ مارتے ہوئے کہا۔ ''تم سنپولیے! کون ہے تمہاری ماں؟ یہاں کوئی تمہاری ماں نہیں ہے۔ تمہاری ماں اس سفاک طوفانی رات میں نیست و نابود ہو گئی۔''

یہ الفاظ سکھ دیپ کو دوڑاتے ہوئے ایک بار پھر رحانم کے پاس لے آئے۔ وہ آنسوؤں سے لبریز تھا اور اس سے ایک لفظ نہیں بولا جا رہا تھا۔ اس کی سسکیاں جاری تھیں۔ ''ماں! تم کیوں نہیں بولتیں کہہ دو کہ وہ آدمی مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ شخص بس ایک جھوٹا ہے۔''

رحانم خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے خود کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے پوری طرح تیار کر لیا تھا۔ وہ بے حسی سے بولی۔ ''نہیں بابا اس نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔'' یہ سفاکانہ سچائی بیان کرتے ہوئے وہ ذرا نہ کپکپائی بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اسے خود پر سے ایک بوجھ سرکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے سوچا رو دھو کر سکھ دیپ پرسکون ہو جائے گا۔ لیکن وہ قدرے مختلف رویے کا اظہار کر رہا تھا۔ رحانم کی بات سننے کے بعد وہ ایک لحہ کو قطعی ساکت کھڑا رہا اور پھر دوڑ کر گھاٹ پار کرتا ہوا صحن کی طرف نکل گیا۔ جابد علی کو یقین تھا کہ اس معاملہ میں پریشان ہونے جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ سکھ دیپ ایک آدھ گھنٹے میں ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ اور پھر خود کو اپنی تقدیر کے مطابق کام کرنے کے لیے تیار بھی کر لے گا۔ شاید وہ بعد میں بھی ابوالہاشم کے ساتھ

رہے۔ظاہر ہے کہ بعد میں ابوالہاشم کو اپنی مدد کے لیے کسی کی ضرورت پڑے گی۔

ابوالہاشم ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔جابد علی کو مچھلی دے کر بوڑھا کہاں چلا گیا؟ابوالہاشم نے کہا تھا کہ مہربانی کر کے تم جاؤ میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔اب تک لوگ یقیناً بازار سے جا چکے ہوں گے تو پھر اب تک وہ واپس کیوں نہیں آیا؟ جابد علی نے لنگی میں اڑسی ہوئی بیڑی نکالی اور اسے سلگا لیا۔دھویں کے لچھے اندھیرے میں تیرنے لگے۔وہ لچھے چھوٹے دائروں میں تبدیل ہو کر اس کے اردگرد بکھر گئے۔وہ ہر سمت میں اڑ رہے تھے۔ان دائروں نے رحانم کی صورت اختیار کر لی تھی۔وہ عورت جو ایک مدت سے اس کی منتظر تھی۔یہ انتظار جو خود تکذیبی کی مشق تھی۔انتظار کے عمل کے اختتام کا مطلب تھا محنت کے پھل کا حصول' سرسبز قطعہ زمین کی زرخیزی کے ساتھ اس کی پیداوار۔جابد علی کے ہونٹوں کے کونے سے دھوئیں کی ایک دبیز لکیر نکل کر اندھیرے میں تحلیل ہو رہی تھی۔یہ اس کی شخصی آسودگی اور مسرت کی ایک علامت تھی۔

یہ رحانم کے لیے انتہائی خوشی کی بات تھی کہ وہ جابد علی کے لیے کھانا تیار کر رہی تھی۔پکتے ہوئے کھانوں کی خوشبوئیں لذت بخش تھیں۔جیسے کے وہ محض کھانے کی مہک نہ تھی جیسے کہ یہ خوشبو اس کے بدن سے پھوٹ رہی ہو۔اس کے بالوں سے پھولوں کی میٹھی میٹھی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔وہ بستر اور تکیہ پر پھیل کر وہاں سے گزرتی ہوئی جابد علی کے اندر تک سرایت کر گئی۔یہ مہکار اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔مسکراہٹ سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔وہ کتنے عرصے سے عورت کے بغیر زندہ تھا۔یہاں تک کہ اس نے کسی عورت کو چھوا تک نہیں تھا۔عشیر کے مہینے کی اس رات سے جب طوفانی ریلے نے اس کی بیوی سے اس کی سانسیں چھین لی تھیں۔اس بدنصیب رات میں چاندنی کی رمق بھی نہ تھی۔سامنے کے صحن میں اندھیرا تھا۔تمام علاقہ مینڈکوں کی ٹرٹر سے گونج رہا تھا۔اس رات اس کی بیوی مر گئی تھی۔اب رحانم اس کے سامنے ہے۔اس میں قوت گفتار ہے اس کی آنکھیں بھی بولتی ہیں۔رحانم خوشبو میں بسی' تروتازہ ایک پراسرار عورت لگتی ہے۔جب وہ ان خیالات میں ڈوبا ہوا تھا تو سکھ دیپ رات کے اندھیرے کو چاک کرتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چھرا تھا۔اسے دیکھ کر جابد علی نے ایک جست لگائی اور اس سے دور ہو گیا۔

''تم ہمارے گھر کیوں آئے ہو؟ تم سے کس نے کہا تھا کہ یہاں آؤ؟ میں تمہارے ٹکڑے

ٹکڑے کر دوں گا۔''

''سور'' کتے کے پلّے' حرامزادے''

''باجان، باجان تم کیا کر رہے ہو؟''

''ماں۔ یہ تمہیں ہم سے چھیننا چاہتا ہے۔ میں اسے موت کی نیند سلا دوں گا۔'' سکھ دیپ اچھل کر برآمد میں آ پہنچا۔''

''سنو باجان میری بات سنو۔''

رحانم نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ایک خوش قسمت لمحے میں جابدعلی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا اور زور کے چند جھٹکے دے کر اسے نیچے گرا دیا۔اس کے فرش پر گرنے کے بعد جیسے اس پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ جب رحانم نے اسے نیچے دبائے رکھنے کی کوشش کی تو سکھ دیپ نے اس کے ہاتھوں پر کاٹ کھایا۔ وہ آسیب زدگی کے سے عالم میں پورے صحن میں چکرایا پھر رہا تھا اور بلند آواز میں جابدعلی کو گالیاں بک رہا تھا۔ جب جابدعلی اس کے پیچھے دوڑا تو وہ دوڑتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ وہ اندھیرے میں ضم ہوگیا۔اب اس کی سسکیاں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ جب یہ منظر تحلیل ہوا تو ابوالہاشم صحن میں داخل ہوتا نظر آیا۔

''اسے کیا ہوا ہے؟''

رحانم خاموشی سے چلتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔ جابدعلی نے بھی کچھ جواب نہ دیا۔ جب ابوالہاشم کو ان دونوں میں سے ایک سے بھی جواب نہیں ملا۔تو اس نے اس معاملہ پر کرید ختم کر دی۔اس کے علاوہ وہ تھکا ہوا بھی بہت تھا۔اس نے سوچا کہ اس کا کیا نقصان ہے اگر اسے معلوم نہ ہو کہ سکھ دیپ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔بچوں کے ساتھ مختلف باتیں ہوتی رہتی ہیں۔اس کے بارے میں پریشان ہونے کا کیا فائدہ؟ اس بارے میں اب وہ بھی خود کو بے چین محسوس کر رہا تھا۔ یہ لڑکا اپنے بچپن سے اس کی سرپرستی میں پروان چڑھا ہے۔اس کی اس سے رشتہ داری نہ سہی لیکن وہ قدرتاً اس کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا۔ رحانم کھانا پکانے کے لیے جا چکی تھی۔ یہ آج رات اتنی خاموش کیوں ہے؟ یہ وہی عورت تو ہے جو ہر چیز پر بکتی جھکتی رہتی تھی تو پھر آج اس نے اپنا منہ کیوں بند کر رکھا ہے؟ یہی وہ عورت ہے جو سکھ دیپ کے لیے سب سے بڑھ کر پریشان رہا کرتی تھی۔ وہ اس کی دیوانی ہے لیکن آج اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی ہے۔ گھر میں

صرف گرم تیل میں مچھلی کے تلنے کی آواز گونج رہی تھی۔ اس آواز سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ رحانم کے اندر کیا اتھل پتھل ہو رہی ہے۔ اس کے بجائے یہ ایک پردے کا کام کر رہی ہے جس نے اس کے احساسات کو پوری طرح چھپا رکھا ہے۔ ابوالہاشم کے ذہن میں سوال ابھرا کہ کیا گھر میں کوئی سنجیدہ واقعہ ہو چکا ہے۔ اس وسوسے میں مبتلا ابوالہاشم برآمدے میں آیا اور نمدے پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا۔ اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے دونوں بازوؤں کے سہارے آرام سے بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا جب وہ ایسا کر رہا تھا تو سکھ دیپ اندھیرے سے چلائے ہوئے تیر کی طرح اس کے سامنے ظاہر ہوا۔

''دادا۔ یہ آدمی کہتا ہے۔ میں آپ کے خاندان میں سے نہیں ہوں۔ اس کا کہنا ہے آپ نے مجھے کہیں سے اٹھایا تھا۔ مجھے بتائیں یہ صاف جھوٹ ہے نا۔ آپ بتائیں نا؟'' ابوالہاشم خاموش رہا۔

سکھ دیپ نے مسلسل سسکیاں لیتے ہوئے اپنا سوال پھر دہرایا۔ ابوالہاشم نے اسے نظر انداز کر دیا...... وہ اپنے خواب میں کھویا ہوا ہے...... زمین کا ایک نیا ٹکڑا ابھر چکا ہے لیکن یہ لڑکا اس کا وارث نہیں ہے۔ اسے حقیقت معلوم ہونی چاہئے۔ یہ سچ پر پردہ اٹھانے کا بہترین وقت ہے۔ ابوالہاشم ذہنی طور پر شدت سے اضطراب میں مبتلا تھا۔ سکھ دیپ اس کے سامنے لاچاری اور بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ وہ اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے اب بے چینی سے اپنے جواب کا انتظار تھا۔ اسکا پورا دماغ دوسرے تمام خیالات سے خالی اب محض اس مسئلہ پر مرتکز تھا۔ اس اندھیرے میں اس کے چہرے کے نقوش غیر واضح ہو رہے تھے۔ ابوالہاشم یہ دیکھنے سے قاصر تھا کہ اس کے چہرے پر کیسے انجانے نقوش وجود پا رہے ہیں۔ چاند کی روشنی صاف نہیں تھی کیوں کہ چاند بوڑھا ہو چلا تھا...... اس کے علاوہ یہ کہ اس کے نزدیک ہی بادلوں کی ایک تہہ بھی موجود تھی۔ سکھ دیپ اپنے وہی الفاظ دھرا رہا تھا۔ اس کے لیے اپنی ہمت مجتمع رکھنا ممکن نہ رہا تھا یا شاید وہ اچانک زمین کو ہلا دینے والے کسی دھماکے کا منتظر تھا؟

اب رحانم کے فرائی پان سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اسے چولہے سے اتار لیا تھا اور اب باورچی خانے کے دروازے کے نزدیک کھڑی تھی۔ اس کا ذہن شدید پراگندگی میں مبتلا تھا۔ جابد علی نے یہ کہتے ہوئے قدم بڑھایا۔ ''چاچا مہربانی کر کے لڑکے کو حقیقت

بتا دو۔'' اس کے باوجود ابوالہاشم کی خاموشی جاری رہی۔ رنگ برنگی مچھلی نے پھر اپنے پر پھیلائے اور اس کی کھوپڑی میں تیرنے لگی۔ اس کے لیے یہ سمجھنا قطعی مشکل نہیں تھا کہ جابد علی کیوں اتنا بے صبر ہو رہا تھا اور کس لیے چیزوں کو سرعت سے آگے کی طرف دھکیل رہا ہے...... وہ سکھ دیپ اور رحانم کے بیچ کیوں ایک کھائی کھود دینا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ صرف آج صبح یہ شخص ملاقات کے لیے آیا لیکن دیکھو کتنی ذراسی دیر میں اس نے خاندان میں کیسی شدید افراتفری پھیلا دی۔ جب جابد علی اس مسئلہ کو ایک بحران تک لے ہی آیا ہے تو ابوالہاشم اس موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے! اس کی ہمت افزائی ہوئی۔ اس نے خود سے کہا یہی وہ ٹھیک وقت ہے جب سب کو اچھی طرح یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ تین افراد ایک لانیفک انداز میں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے نہیں ہیں اور ہر گھر تک یہ بات پوری وضاحت سے پہنچ جانی چاہئے کہ ابوالہاشم پر ان میں سے کسی کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اگر آگہی کے اس عمل سے ان پر کوئی زد پڑتی ہے تو اس سے اس پر کیا فرق پڑے گا؟ کون ہے سکھ دیپ؟ رحانم کون ہے؟......فرض کرو کہ راستہ چلتے تمہاری ملاقات کسی سے ہو جاتی ہے تو کیا اس سے تم اس فرد سے قریبی رشتے میں بندھ جاتے ہو؟ ابوالہاشم کا خود اپنا ماضی اس انداز نظر پر حاوی تھا۔ اس ماضی سے پیوست رہ کر وہ آنے والے وقت پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنا مستقبل تعمیر کرے جو اس کے ماضی سے مشابہہ ہو۔ کیوں کہ اس کی زمین سمندر کی تہہ سے ابھر آئی تھی...... وہ اب نئی زمین کا مالک تھا۔ یہ خط تنسیخ پھیرنے کا وقت تھا تاکہ اپنی زندگی سے ان گذشتہ چند برسوں کی یادیں مٹائی جاسکتیں۔ سکھ دیپ اب بھی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ اس قدر جھکا بیٹھا تھا کہ اس کا سر زمین کو چھو رہا تھا۔ اب اس نے آلتی پالتی ماری، اس کی نظریں مستقل اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ناک چوڑی ہو رہی تھی......اسکے لیے یہ سانس روک دینے والی پیش بینی کا لمحہ تھا۔ اس کی تقریباً تمام آئندہ زندگی کا انحصار ابوالہاشم کے منہ سے ادا ہونے والے ایک لفظ پر تھا۔ وہ چہرا آج گلنار نہیں تھا بلکہ بجائے اس کے کملایا ہوا تھا۔ بادل گھرے ہو رہے تھے اور اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ طوفانی بارش سطح زمین سے ہر چیز کو دھوڈالے گی۔

حالانکہ ابوالہاشم نے یہ الفاظ نیچی آواز میں ادا کیے تھے لیکن سکھ دیپ کے لیے یہ کسی بھینسے کی سی چنگھاڑ تھی۔ اس جملے نے اسے بری طرح ہلا کر رکھ دیا۔ ''ہاں بابا یہ پورا سچ ہے۔'' یہ الفاظ

اس کے کانوں میں بار بار گونج رہے تھے۔

سکھ دیپ نے ایک دل خراش آواز نکالی اور زور زور سے رونے لگا۔ اگلے لمحے اس نے تالاب کے گھاٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ جابد علی نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے قریب جا کر ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ سکھ دیپ چہرا دونوں ہاتھوں سے چھپائے بے اختیار سسکیاں لے رہا تھا۔ اس منظر سے جابد علی ایک ثانیہ کے لیے بے چین ہوا لیکن کچھ ہی دیر میں اس نے خود پر قابو پا لیا۔ وہ وہاں لڑکے سے ہمدردی کے جذبہ کے تحت نہیں آیا تھا بلکہ وہ اس پر نظر رکھنا چاہتا تھا کہ کہیں وہ ایسی ویسی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ اسے لڑکے کو بیٹھا دیکھ کر اطمینان سا ہوا شاید وہ موت کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ یوں بھی اس عمر میں موت کے بارے میں سوچنا غیر فطری بات ہے۔ اس کے بجائے اس وقت وہ انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ وہ جابد علی کو ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔ کیا وہ تمام رات آنکھ جھپکے بغیر گزار دے پھر نہایت خاموشی سے چپکے چپکے جابد علی کی طرف بڑھے اور اپنے چھرے سے اس شیطان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے؟...... یہ عین ممکن تھا اگر وہ پورا آدمی ہوتا لیکن وہ محض ایک بچہ تھا۔ اس خوف ناک کام کو سرانجام دینے کے لیے اس میں کافی طاقت موجود نہیں تھی۔ ان خیالات سے اس کا ذہن سلگ رہا تھا۔ جابد علی اندھیرے میں کھڑا ایک سفاکانہ مسرت کے ساتھ لڑکے کی سسکیاں سن رہا تھا۔ یہ لڑکا، جو ایک لمحے قبل تک ایک گھر رکھتا تھا جس کی ایک ماں تھی اور ایک دادا، وہ اب ایک یتیم اور بے بس اور بے گھر اور بے یار و مددگار تھا۔ دنیا میں اب اس کے لیے کوئی ایسا فرد نہ تھا جس پر وہ انحصار کر سکتا اور لڑکے کا یہ اکیلا پن جسمانی اور ذہنی دونوں سطحوں پر تھا۔ سکھ دیپ اب کہاں جائے گا؟ جابد علی کے لیے یہ ایک غیر اہم سوال تھا کہ وہ اب کہاں جائے گا۔ اس نے خود کو پتھر کر لیا تھا۔ اس پر سکھ دیپ کے آنسو کوئی اثر نہیں کر رہے تھے۔ اس نے درخت کی اوٹ میں کھڑے کھڑے ایک بیڑی سلگائی۔ بیڑی کا شعلہ اندھیرے میں جگنو کی طرح چمک رہا تھا۔ جابد علی کی آنکھیں بھی بیڑی کا کش لیتے ہوئے اس کے شعلے کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اس نے منصوبہ بنایا کہ وہ کس طرح لڑکے کو خوف زدہ کرے گا۔ وہ منتظر تھا کہ سکھ دیپ کی سسکیاں رکیں تو وہ پہلے اس کے ہاتھ موڑے گا پھر اسے اپنی فرماں برداری پر مجبور کرے گا بعد میں وہ اسے بے رحمی سے دھکیلتا اور دھکے دیتا ہوا برآمدے میں لے جائے گا۔ اگر ضروری ہوا تو وہ اس کی ٹھکائی بھی کر ڈالے گا۔ اس کی پٹائی پر معترض ہونے والا بھلا کون ہے۔

اسے بھلائی یقین تھا کہ ابوالہاشم اور رحانم میں سے کوئی بھی لڑکے کا ساتھ نہیں دے گا۔ وہ دونوں ہی اپنے اپنے مفادات کے دائرے میں بند کھڑے ہیں انہیں محض کھیل شروع ہونے کا انتظار ہے۔ اسے اس شیطان کے بچے کو سبق سکھانے میں ذرا وقت نہیں لگے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کی اطاعت قبول کرلے۔ بیڑی کا ایک لمبا سا کش لے کر اس نے اسے دور پھینک دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ پوری طرح تیار ہے اس کا ہدف اس کی پہنچ میں تھا...... اسے محض اتنا کرنا تھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سختی سے دبوچ لے۔

ابوالہاشم جابد علی کے رویہ کے بارے میں قدرے تشویش میں مبتلا تھا۔ اس پر یہ واضح نہیں تھا کہ جابد علی نے رحانم اور سکھ دیپ کے تعلق میں رخنہ کیوں پیدا کیا۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ رحانم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیا اس کا منصوبہ بھی وہی ہے جس سے ملتا جلتا منصوبہ اس کے ذہن میں ترتیب پا رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے بازار سے واپسی پر نور عالم کی بیوہ بہن کے بارے میں پوچھ گچھ کی ہے۔ آج وہ ان کے ساتھ معمول سے زیادہ ٹھہرا رہا اور پان کھا لینے کے بعد بھی وہ وہاں سے اٹھ جانے پر آمادہ نہ تھا۔ یہ پان نور عالم کی بہن ہی نے اس کے لیے بنایا تھا۔ اس نے عورت کے حوالے سے تمام تصورات کو اپنے ذہن سے نکال پھینکا تھا۔ خاص طور سے اس قسم کی عورتوں کے بارے میں جو بڑے پورے چاند کی طرح ہوا کرتی ہیں جن کے مل جانے سے ابوالہاشم کی زندگی منور ہو سکتی ہے...... ابوالہاشم اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہوئے چونک سا پڑا...... یہ زندگی! اس کا مطلب کیا ہے؟ اب اور یہ کیا چاہتی ہے؟ بہت کچھ، اس سے بھی بڑھ کر بہت اچھا...... وہ خود ہی اپنے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔ وہ جائیداد جو سمندر کی تہہ میں سے ابھری ہو۔ ایسی صورت میں، زائد عمری کہیں کوئی مسئلہ نہیں بنتی دراصل یہ اپنی معنویت ہی کھو دیتی ہے۔ وہ اب مزید کوئی وقت ضائع نہیں کرے گا۔ وہ ذرا دیر نہیں لگائے گا۔ یہ چیزوں کو ترتیب میں لانے کا وقت ہے لیکن جابد علی کا کیا مسئلہ ہے؟ یہ آدمی آخر چاہتا کیا ہے؟...... رحانم؟...... کیا وہ اس غلط فہمی میں یہ محنت کر رہا ہے کہ رحانم اس کی بیٹی ہے؟...... قریب تھا کہ ابوالہاشم کے قہقہے پھوٹ پڑتے لیکن اس نے بڑی کوشش سے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا۔ وہ اس موقع پر تمام باتیں کھولنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پہلے جابد علی کے مقاصد سمجھنا چاہتا تھا۔ اگر یہ آدمی محض رحانم سے شادی کر لینے میں دلچسپی رکھتا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن گڑبڑ جب ہوگی اگر اس بنیاد

پر وہ اس کی نئی زمین پر تر کے کا دعویدار بنا۔ اگلے ہی لمحے اس الجھن نے اس کا دامن چھوڑ دیا۔ اس مسئلہ کو مزید پیچیدہ بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے بہتر ہے کہ کوئی کام جلدی میں نہ کیا جائے۔ آج رات کے دوران بچے ہی کو مرکزی مسئلہ بنا رہنا چاہئے......اس رات جب وہ دکھ میں مبتلا ہوا اسی میں وہ اپنے بارے میں تفصیلات سے باخبر ہوا اور بڑا ہو جائے۔

اس دوران جب ذہن ان خیالات میں الجھا ہوا تھا ابوالہاشم باورچی خانے کے دروازے کی طرف بڑھا اور وہاں پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ رات اب خاصی گزر چکی تھی۔ یہ سوجانے کا وقت تھا۔ نینداس پر غلبہ پاتی جا رہی تھی۔ رحانم باروچی خانے میں اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ وہ ڈش میں چاول ڈال رہی تھی ایک اور ڈش میں مچھلی کا شوربہ بھرا رکھا تھا جس کی مہک بھوک کو چمکا رہی تھی۔ اس مہک نے اس کی بھوک کو بھی دو چند کر دیا۔ اس نے دوپہر کے کھانے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ آگ کی تپش نے رحانم کے چہرے کو لال بھبوکا کر رکھا تھا۔ جب وہ مسکراتی تو اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جایا کرتے تھے۔ اس کی آنکھوں کے کونوں میں پانی کے دو قطرے نظر آ رہے تھے۔ وہ رو رہی تھی یا اسے پسینہ آ رہا ہے؟ ابوالہاشم نے جماہی کی سی آواز نکالی۔ روحانم چہرا اوپر اٹھائے بغیر بولی ''بابا! مہربانی کر کے وہاں بیٹھو میں کھانا لاتی ہوں۔ سکھ دیپ؟ او سکھ دیپ......''

جب رحانم کی آواز بلند ہوئی تو ابوالہاشم نے اسے ٹوکا ''اسے آوازیں مت دو، میں جا کر دیکھتا ہوں'' ابھی ابوالہاشم آگے کو بڑھا ہی تھا کہ اس نے دیکھا کہ جابد علی نے لڑکے کو سختی سے بازوؤں میں دبوچ رکھا ہے اور زبردستی اسے گھر کی طرف لا رہا ہے۔ اس کے رویہ سے لگتا تھا جیسے وہ بچے کو کسی ایسی جگہ لے جا رہا ہو جہاں اس کا دنیا سے ہمیشہ کیلیے جسمانی تعلق ختم کیا جانے والا ہوتا کہ وہ پھر کبھی بھی ان کی خوشیوں میں حائل نہ ہو سکے۔ سکھ دیپ جنونی انداز میں بازوؤں اور ٹانگوں کو جھٹک رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح خود کو آزاد کروالے......وہ پوری قوت سے اپنے حریف سے نبرد آزما تھا لیکن کیا اس کے لیے ممکن تھا کہ وہ جابد علی کے چنگل سے نکل سکتا؟......

ابھی یہ غیر مساویانہ جنگ جاری تھی کہ ابوالہاشم نے کوشش کی کہ لڑکے کو جامد علی سے چھین کر اپنی آغوش میں بھر لے۔ اس نے کہا ''ٹھہرو دادا' ٹھہرو بھائی، میں بھی دیکھوں اس میں کتنی طاقت ہے، لاؤ اسے مجھے دو۔''

سکھ دیپ نے ابوالہاشم کے ہاتھوں پر کاٹ لیا تب جابد علی نے اسے دھب سے زمین پر دے مارا۔ابوالہاشم کے منہ سے درد بھری کراہ نکلی۔اس نے زخمی جگہ کو اپنی چادر سے ڈھک لیا تھا۔ ابوالہاشم کے ہاتھ پر کاٹنے کا نشان واضح تھا۔ وہ جگہ سرخ ہو گئی تھی مگر خون نہیں بہہ رہا تھا۔ جب ابوالہاشم درد سے کراہا تو سکھ دیپ نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔جابد علی غرایا ''یہ جانور کی اولاد شیطان اور ابلیس ہے۔''

اس وقت تک رحانم وہاں آ چکی تھی۔وہ گھٹنوں کے بل جھکی اور سکھ دیپ کے ہاتھوں کو تھام کر اسے آغوش میں بھر لیا اور بولی ''آؤ میرے ساتھ آؤ بابا جان آؤ کھانا کھالو۔جب تم کھانا کھا چکو گے تو میں تمہیں کہانی سناؤں گی۔''

''کہانی؟......لعنت ہو تم پر'' سکھ دیپ نے رحانم کے منہ پر تھوک دیا۔وہ ہر طرف تھوک رہا تھا۔اسنے جابد علی اور ابوالہاشم کے منہ بھی تھوک سے لتھیڑ دیئے تھے۔ان کے ہاتھوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اپنے چہرے سے تھوک صاف کرتے۔اس کے بجائے برف جیسے لمس کے احساس نے ان کی جلد کو گرفت میں لے رکھا تھا......محض رگڑنے سے یہ صاف ہونے والا نہیں تھا۔ان کے جسموں پر تھوک' صاف نہ کئے جا سکنے والے داغ کی طرح تھا۔

MashalBooks.org

3

ابوالہاشم اندر مانک سمندر کے کنارے آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ زمین کے نئے ٹکڑے کی مہک اس کے پھیپھڑوں سے ہوتی ہوئی اس کے بدن کے اندر اتر گئی ہے۔ سمندر کی تہہ سے اس جائیداد کے ابھرتے ہی اس کے مختلف وارثوں کے درمیان تنازع اٹھ کھڑا ہوا تھا...... وہ لوگ جو طاقتور تھے وہ بھی اسے بزورِ قوت ہتھیانے کی کوشش میں تھے...... لیکن ابوالہاشم کو اطمینان تھا کہ آگے چل کر وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے کیونکہ اس کے کاغذات قطعی مکمل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں تھی لیکن اس میں ایک خوف جڑیں پکڑ رہا تھا کہ جہاں تک زمین پر قابض ہونے کا معاملہ ہے اس میں کاغذات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ با اثر پارٹیوں نے خود کو اس معاملہ میں ملوث کر لیا تھا۔ یہ لوگ اس کہاوت پر یقین رکھتے تھے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس...... ایک دکھ کا احساس اس میں پروان چڑھنے لگا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہر جگہ ڈنڈے کی حکمرانی ہے۔ غلط روپے کی طاقت کو کام میں لا کر لوگ اپنے مقاصد حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ اب ابوالہاشم کے پاس تو نہ ہی پیسہ تھا اور نہ اسے معروف شخصیات کا تعاون حاصل تھا۔ وہ اس بدصورت مقابلہ سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ اس خوف سے اس کا دل سکڑ کر رہ گیا۔ جب وہ خوفزدہ ہوتا۔ جب اس کا ذہن جامد ہو جاتا تو رنگ برنگی مچھلی اپنے پنکھ نہیں کھولتی تھی اور اگر رنگ برنگی مچھلی اپنے پر پھیلانے میں ناکام رہتی تھی تو وہ خود کو جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے کے مشغلہ میں مصروف نہ کر پاتا تھا۔

ابوالہاشم نے کوشش کی کہ اس خوف کو ذہن سے جھٹک دے۔ اس نے کوشش کی خود میں میں ہمت پیدا کر کے نوجوانی کی ترنگ حاصل کر لے۔ نڈر بنے اور اس بے بنیاد خوف کو اٹھا

MashalBooks.org

پھینکے۔ خود کو ایک خودمختار سلطان تصور کرے! وہ زمین جس کا وہ کبھی مالک تھا اور جسے بعد میں سمندر نے نگل لیا تھا۔ اب واپس آ چکی ہے جیسے کہ اس کی مانی مالا اسے مل گئی ہو...... وہ کس بات سے خوفزدہ ہے؟ کیا ایسی کوئی چیز ہے جس سے خوفزدہ ہوا جائے؟...... جب انہوں نے شادی کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز کیا تو مانی مالا اس سے مبہت کی باتیں کیا کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس آدمی کو گہری اور پائیدار محبت حاصل ہو جائے وہ ہی ہیرو ہے۔

مانی مالا اس سے کہا کرتی کہ میری تمام زمین اب تمہاری ہے۔ تم اس کے حقیقی مالک ہو۔ میرے لئے یہی خوشی کافی ہوگی اگر تم مجھے اس میں سے چاول کے چند دانے دے دیا کرو گے۔

آہ! مانی مالا کی آواز' اس کے رویے اور اس کی آنکھوں سے کیسی بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ مانی مالا نے اپنی گہری چاہت سے اس کی زندگی کو ڈھانپ لیا تھا۔ وہ اس کی پوری زندگی میں کبھی بھی کسی قسم کے احساس محرومی سے دوچار نہیں ہوا۔ کوئی آدمی جسے مانی مالا جیسی بیوی نصیب ہوئی ہو۔ اسے کسی بھی چیز سے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ مانی مالا اب اس کے ہمراہ نہیں تھی۔ وہ محض ایک یاد تھی۔ اس یاد سے لپٹے ہوئے اس نے سمندر کے کنارے کی ریت پر قدم رکھا۔ اس کے دل کو سکون سا مل گیا تھا۔ سنہری مچھلی نے اس کی کھوپڑی میں سر ابھارا۔ اس نے مانی مالا کی یاد سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ ادا کئے ''تم میرے لئے سب کچھ ہو، میری تمام دولت' میری تمام جسمانی طاقت۔'' یہ بہت مدت بعد ہوا تھا کہ ابوالہاشم نے مانی مالا کی یاد میں آنسو بہائے ہوں۔ مانی مالا کی یاد اس کے ذہن میں اب اس قدر تازہ اور شدید نہیں رہی تھی لیکن موجودہ صورتحال میں مانی مالا اسے قوت کے ایک منبع کے طور پر درکار تھی...... کیونکہ مانی مالا کے علاوہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس کی قوت میں اضافہ کر سکتی۔

اس نے اپنی ہتھیلیوں سے آنسو خشک کئے۔ وہ جانتا تھا کہ جب اس کے اندیشہ دور ہو جائیں گے تو دنیا کے بہت سے دوسرے بکھیڑے اسے ایسے گھیر لیں گے کہ وہ ایک بار پھر مانی مالا کو فراموش کر دے گا۔ اس میں زندہ رہنے کی خواہش شدید تر ہو جائے گی۔ اس کے اردگرد کی تفصیلات اور روزمرہ کے گھریلو معاملات اس سے گہری توجہ کے طلبگار ہوں گے۔ اس لئے ایک بہتر زندگی گزارنے کی خواہش نے اس میں یہ تحریک پیدا کی کہ اس میں مناسب حد تک ذہنی قوت مجتمع ہو۔

سمندر متلاطم تھا۔اس میں مسلسل چھوٹی چھوٹی لہریں بن اور بگڑ رہی تھیں......بگڑ رہی تھیں اور بن رہی تھیں۔موجوں کے اس بگاڑ سے ابوالہاشم کی آئندہ زندگی کا اندازہ ظاہر تھا...... پانی کے نیچے گھاس کے قطعے تھے۔گھاس ہر جگہ موجود تھی۔دائیں اور بائیں جانب، سامنے اور پیچھے بھی...... وہ جہاں بھی قدم رکھ رہا تھا اسے خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔اس پورے منظر پر سبز رنگ غالب تھا۔دور نظر آنے والے کھیت سبز تھے۔افق کی قریبی لکیر سبز تھی۔ابوالہاشم کا دل بھی سبز تھا۔ وہ ایسے منظر کو قبول نہیں کرے گا جو محض ایک مردہ وجود رکھتا ہو۔اس کے ذہن نے اس احساس کو تسلیم نہیں کیا کہ مانی مالا کی یادیں اس کی زندگی کا واحد اثاثہ ہیں۔وہ چاہتا تھا کہ اس زندگی کے تنگ حدود سے نکل کر کہیں اور جائے کہیں دور کی جگہ۔کوئی بہتر برس کا بوڑھا ہو سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کے دل کا رنگ تبدیل ہو جائے کہ وہ بلی کا ایک بچہ بن جائے۔اس نے محسوس کیا کہ اس کے جسم کے بال اتنے ہی سبز ہو گئے ہوں جتنے کے دھان کے تیز دھار پودے ہوتے ہیں......اب ان پر کوئی دوسرا رنگ نہیں سجتا۔اپنی اس ذہنی کیفیت میں جس پر نوجوانی کی ترنگ اور تازگی غالب تھی وہ باآسانی ایک بیوہ عورت کی ہم نشینی کا طلبگار ہو سکتا تھا......وہ اس قدر جنسی قوت بھی رکھتا تھا کہ اس کی بچہ دانی میں ایک بچے کو وجود میں لا سکے۔

جابد علی نے کہا تھا کہ اس کی زمین پر اس کا ایک گھر تیار کر دے گا...... جو نئے بانسوں کا بنا ہوگا اور جس کی دیواریں بانسوں اور چھت بانسوں کی کھپچیوں سے تیار کر کے اسے مٹی سے لیپا جائے گا۔اسے اس زمین پر بسنے والے پہلے انسان کا اعزاز حاصل ہوگا۔س طرح ایک نئی زمین پر ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا جس کا مطلب ہے ایک نئے خاندان کی تشکیل...... وہ کہہ چکا تھا کہ یہاں رحانم کے ساتھ زندگی شروع کرے گا۔وہ اس زمین پر کاشت کرے گا، ہل، ڈھور ڈنگر اور بیج لائے جائیں گے۔کنواری زمین ہل کے تیز دھار پھل سے بارآور بنائی جائے گی۔اسی طرح ہل چلا کر رحانم کو بھی پیداوار کے لائق بنایا جائے گا جس طرح زمین میں سنہری بالیں پوشیدہ ہوتی ہیں اسی طرح انسانی زندگی بھی اپنے اندر فصل چھپائے ہتی ہے۔اس طرح فطرت اور انسان ایک خاندان کو وجود میں لانے کے لیے مل جل کر کام کرتے ہیں......آہ! خاندان! ابوالہاشم بے چین ہو گیا۔وہ بامشکل ہی خود پر قابو پا سکا۔جب ابوالہاشم شمال کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا تو ہوا اس کی داڑھی کو لہرانے لگی۔جب اس نے جنوب کی طرف رخ کیا تو ہوا اس کے بالوں سے کھیلنے لگی اور

اس کی بھنوویں کانپیں' اس کا دل ایک بار پھر دھڑکا۔ خاندان!......ایک بار اس نے مانی مالا کے ساتھ مل کر ایک خاندان تشکیل دیا تھا لیکن اب اس کی یادیں اس کے ذہن کو مکدر کر دیتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اکثر اس یاد سے چمٹ جاتا ہے تاکہ خود کو مکمل تباہی سے بچا سکے۔ لیکن یہ احساس لحاتی ہوا کرتا۔ اب وہ نور بانو کے ساتھ ایک نیا خاندان قائم کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اگر کوئی نئی زمین کا مالک بن جائے تو اس کی بیوی بھی ضرور ہونی چاہئے ورنہ اس کے بغیر یہ ملکیت ادھوری رہتی ہے۔ اسے زمین کا مالک بن جانے کے امکانات خوابوں میں کھینچ لائے تے۔ کیونکہ جیسے ہی وہ اپنے جھونپڑے سے باہر آیا اس نے دیکھا کہ ہر چیز چاندنی میں نہائی ہوئی ہے۔ وہ اندھیری راتوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ بہرحال ایک انسان تھا جسے خوشی اور غم کے قدرتی جذبوں کا پورا احساس تھا۔ کبھی کبھار وہ موت اور تنہائی کے عشق میں بھی مبتلا ہو جایا کرتا تھا۔ اس کے اندر کی کوئی آسیبی آواز ایک تواتر سے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ وہ کیا چیز ہے؟ کیا وہ اس تاریک رات کا دکھ ہے جب طوفان آیا تھا؟ یا کالکتہ کا ورغلاتا ہا پورن ماشی کا چاند یا وہ حیران کن رنگ برنگی مچھلیاں۔ یا سمندر جس کی کوئی تھاں نہیں...... جب وہ اس موڈ میں ہوتا تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے یہ مچھلیاں ہی اس کا کل اثاثہ ہوں......انہیں بنیاد بنا کر اس کی تمام خواہشیں اس میں نمود پاتیں۔ یہ چیز تھی جو اسے ذہن خلجان میں مبتلا کر دیا کرتی۔

ایک ہفتہ بیت گیا۔ جابد علی اور رحانم کی شادی طے پا گئی۔ کسی نے بھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ رحانم سے بھی اس بارے میں پوچھ لیا جائے۔ ابوالہاشم کو اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ رحانم بے چینی سے شادی کی تقریب منعقد ہونے کی منتظر ہے۔ جابد علی کے باپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ درحقیقت اس نے اس معاملہ پر کوئی تبصرہ ہی نہیں کیا تھا۔ ابوالہاشم کو پورا یقین تھا کہ اگر رحانم اس کی بیٹی ہوتی تو شاید یہ شادی کبھی بھی نہ ہو پاتی۔ ایک زمیندار کی بیٹی کبھی بھی بٹائی کرنے والے کے بیٹے سے نہیں بیاہی جاسکتی۔ ایسے بے جوڑ رشتے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اگر وہ بیٹی اس قدر احمق ہوتی کہ بٹائی کرنے والے کے بیٹے کے عشق میں مبتلا ہو کر اس سے شادی کر لیتی تو اسے یقیناً اس عمل کی سزا بھگتنی پڑتی اور اس کے جسم کو دو حصوں میں چیر کر سمندر میں پھینک دیا جاتا۔ اب وہ رحانم سے چھٹکارہ چاہتا تھا۔ اسے اب مزید اس کی ضرورت نہیں ہے۔ باپ اور بیٹے کو ہرگز اس کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ یہ الفاظ سن کر جابد علی کے

ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔اس نے اونچی آواز میں کہا تھا ''مجھے جائیداد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جائیداد کا کیا کروں گا؟'' اپنی آواز دھیمی کرتے ہوئے اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ رحانم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

ابوالہاشم نے ان الفاظ پر اندر ہی اندر قہقہہ لگایا۔اس نے بھی اپنی نوجوانی میں مانی مالا کے حوالے سے یہی بیان دیا تھا۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وقت کے اس لمحہ میں مانی مالا کی یادیں اس کے لیے غیر واضح ہو گئیں۔رحانم نے سکھ دیپ کی شیر خواری کے زمانے میں اسے اپنی گود میں تھپکتے ہوئے کہا تھا ''بابا میں اس بچے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی'' کبھی سکھ دیپ رحانم کے لیے خوشی کا واحد ذریعہ تھا اور اب؟...... ان کی زندگیوں میں ہر چیز تلپٹ ہو گئی ہے تو کیا وہ زندگی جوان تینوں نے ساتھ مل کر گزاری غیر حقیقی تھی؟...... کچھ بھی نہیں محض ایک دھوکا ایک سراب......اب' وہ اس بات کی شدید طلب رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں۔وہ اپنی اس موجودہ زندگی ہی کو حقیقی سمجھتے ہیں......اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ ان برسوں کو کیا نام دیں گے جن میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہے؟ کیا ان برسوں سے سمندر کے ہمیشہ بہتے رہنے والے پانیوں جیسا سلوک کیا جا سکتا ہے؟

اگر تم سمندر کے کنارے کھڑے ہو اور اپنی آنکھیں زمین کے حال ہی میں ابھرنے والے ٹکڑے پر ٹکا لو۔تو تم ذرا فاصلے کے درختوں اور کھیتوں اور میدان درمیدان جھونپڑیوں کی قطاروں کا صاف نظارہ کر سکتے ہو۔ابوالہاشم نے سمندر کے کنارے پر تھوڑی سی چہل قدمی کی۔ایک ننھا منا پیارا سا بھونرا ابوالہاشم کے سر کے گرد رقص کرتے ہوئے چکرانے لگا۔پھر وہ دور اڑ گیا اور ایک سرکنڈے پر جا بیٹھا......اور پھر پلٹ آیا۔کیڑا ایک قسم کی آواز نکال رہا تھا۔آواز کے تعاقب میں ابوالہاشم نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور محسوس کیا کہ وہ زمین کے نئے ٹکڑے کی سمندری مٹی والی زمین پر اکیلا ہے......اس کی ذات کا سمندر اور بھونرے سے ایک قسم کی دوستی کا تعلق قائم ہو گیا تھا مگر یہ تینوں مل کر ایک خاندان کو وجود میں نہیں لا سکتے تھے۔وہ تینوں ایک دوسرے کے لیے محض ایک اعزازی حیثیت رکھتے تھے۔ایک دوسرے پر صرف باہمی انحصار' بالکل اسی طرح کا رشتہ جیسا کہ ان تینوں کے درمیان تھا جب وہ ایک ساتھ رہا کرتے تھے لیکن وہ خاندان جلد ہی بکھر جانے والا ہے۔اسے ایک تند اور اچانک تبدیلی کا سامنا ہے۔جس کی وجہ خاندان میں نئے عناصر کا

سرایت کر جانا ہے۔اس لئے تمام امیدیں مٹی میں مل گئی ہیں ہر چیز تتر بتر ہو گئی ہے۔نابودگی کو کون روک سکتا ہے؟......کوئی بھی نہیں، کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ ایسا کر سکے۔

کچھ دیر بعد جابد علی اپنے باپ کے ہمراہ بانسوں اور دوسرے ساز و سامان سے بھری کشتی لئے وہاں آ پہنچا۔آج وہ یہاں ایک جھونپڑا بنانے والے تھے۔وہ اس زمین پر قبضہ کرنے والے پہلے افراد تھے اس کے بعد دیگر امیدواروں کے ساتھ خونی لڑائی جھگڑوں کا نمبر آنے والا ہے۔ یہاں لہو بہنے اور اموات واقع ہونے کا ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ابوالہاشم کی زندگی اس قسم کے تجربات سے بھری پڑی تھی۔وہ اس قسم کے واقعات کے دائرے سے باہر کا آدمی نہیں تھا۔وہ ان سے کٹ کر الگ تھلگ رہنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

بھونرا ابوالہاشم کے کاندھے پر جما بیٹھا تھا۔اپنے کاندھے پر بھونرے کو بٹھائے ہوئے اس نے دیکھا کہ ایک نئی اقامت گاہ کیسے تعمیر کی جاتی ہے لیکن وہ محض گھر کی تعمیر دیکھنے میں محو نہ تھے......اس کا ذہن مصروف تھا۔وہ ایک ترتیب سے مناظر کو اپنے تصور میں دیکھ رہا تھا۔اس نے اپنے تصور کی آنکھ سے دیکھا کہ کیلوں کے چند درخت جھونپڑے کے ایک طرف بوئے گئے ہیں۔ باورچی خانے کے نزدیک بھوسا الگ کرنے کی مشین لگائی گئی ہے۔ایک جوڑا گھر میں داخل ہوتا ہے۔برتن لائے جاتے ہیں۔ایک چولہا بنایا جاتا ہے۔اس میں آگ جلائی جاتی ہے کھانا پکایا اور کھایا جاتا ہے......دن نکلتا ہے۔مرد زمینوں پر چلا جاتا ہے وہ زمین پر ہل چلاتا اور بیج بوتا ہے۔ عورت گھر کے کاموں میں مشغول ہو جاتی ہے۔وہ گھر میں جھاڑو دیتی ہے اور بھوسا الگ کرتی ہے گھر صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ایک لنگی اور ساڑھی کا بارڈر ہوا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔کبوتر گھونسلا بناتے ہیں سیاہ پرندے ہوا میں پرواز کرتے ہیں، رات کو الو بولتے ہیں۔درخت، جھونپڑیاں اور انسان سب کے سب چاندی میں نہائے ہوئے ہیں۔مرغ بانگ لگا کر صبح کی آمد کا اعلان کرتا دوبارہ سنائی دیتا ہے۔

جب وہ ان تصورات میں کھویا ہوا تھا۔جابد علی کا باپ اس کے نزدیک آ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔اس موقع پر سبز بھونرا اڑ گیا۔اس آدمی کی چگی داڑھی تھی اور اس نے پیوند لگا کرتہ پہن رکھا تھا۔وہ ایک بے زمین کاشتکار تھا۔اس کے کاندھے پر رومال پڑا تھا جس سے وہ بار بار اپنا پسینہ خشک کر رہا تھا۔اس نے بہت دھیمی اور نرم آواز میں کہا ''مالک، آپ میرے بیٹے کو اس کی شادی پر

کوئی تحفہ نہیں دیں گے؟''

''جہیز؟'' ابوالہاشم زور زور سے ہنسنے لگا۔

''نہیں، نہیں، جہیز نہیں، بھلا کیا میں جہیز کا مطالبہ کر سکتا ہوں؟...... میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی چیز جو آپ محبت کے اظہار کے طور پر دینا چاہیں...... کیا یہ ایک رسم نہیں ہے کہ باپ اپنی بیٹی کی شادی پر اسے کوئی قیمتی چیز دیا کرتا ہے؟''

''بیٹی؟......'' ابوالہاشم ایک بار پھر قہقہے لگانے لگا۔ جابد علی کے باپ کے چہرے پر سیاہی پھیل گئی۔ وہ بے حد شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے اپنی تمام ہمت مجتمع کر کے کہا ''اگر وہ آپ کی بیٹی نہیں تو پھر کون ہے وہ؟...... کیا وہ آپ کو باپ کہہ کر نہیں بلاتی؟''

''اگر کوئی لڑکی کسی کو باپ کہہ کر مخاطب کرے تو کیا وہ اس کی بیٹی ہو جاتی ہے؟''

''کیوں نہیں؟ آپ نے کبھی اسے خود کو باپ کہہ کر مخاطب کرنے سے نہیں روکا۔ لڑکی ہمیشہ آپ کو باپ کہہ کر ہی پکارتی ہے۔''

''چھوڑو اسے، بہتر ہے کہ ہم اس موضوع پر بات نہ کریں'' ابوالہاشم نے جابد علی کے باپ کے جھڑکا پھر وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رکھائی سے بولا ''زمین ابھر آئی ہے۔ مجھے اس پر بہت سی رقم خرچ کرنی ہے۔ میں لڑکی کے لیے کوئی رقم مختص نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں اپنے بیٹے کی شادی کرنی ہے تو وہ تمہیں خود کرنی ہوگی۔ اس پر غور کر و اور وہ ہی کرو جو تم کرنا چاہتے ہو۔'' جابد علی کا باپ سمٹ کر پیچھے ہوا اور آزردہ ہو گیا حالانکہ وہ اندر سے بے حد مشتعل تھا لیکن اپنی خفگی کا اظہار اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اسے اس قدر بے تکلفی سے کام نہیں لینا چاہئے تھا۔ اس نے خاموشی سے آہ بھری۔ وہ اپنے غصے پر قابو پانے کے لیے سخت جدوجہد کر رہا تھا لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ جب سبز بھنورا اس کی زد میں آیا تو اس نے اسے پکڑ کر اپنے پیروں سے کچل دیا۔

ابوالہاشم نے تیز نظروں سے اسے گھورا لیکن ٹھنڈے لہجے میں کہا ''تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''مہاجن، اگر نئی زمین تمہاری ہے تو میں بھی کیڑے مکوڑوں کا مالک ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ میری کوئی جائیداد نہیں ہے لیکن جنگلوں اور کیڑے مکوڑوں پر مجھے اختیار حاصل ہے اگر میں چاہوں

تو انہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔ آپ مجھے ایسا کرنے پر کیوں ٹوکتے ہیں؟''

ابوالہاشم نے اس شخص کو حیرانی سے دیکھا۔ وہ انتہائی حیران تھا یہ آدمی کس قدر سرکش ہے۔ کیا محض ایک بٹائی کرنے والا اس درجہ بے باک ہوسکتا ہے؟ کیا وہ سمجھ رہا ہے کہ رحانم اور جابدعلی کے درمیان شادی طے ہو جانے سے وہ میرے برابر آ گیا ہے؟ دولہا کا باپ ہونے کی حیثیت سے وہ سوچ سکتا ہے کہ اس کی حیثیت ابوالہاشم سے قدرے بہتر ہے ورنہ وہ اس سے اپنی شرائط منوا سکتا ہے۔ کیا اسی سبب سے وہ مجھ پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ میں رحانم کو اپنی بیٹی تسلیم کر لوں؟......ہاں......ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔ ابوالہاشم ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

جابدعلی کا باپ کیڑے کو ہلاک کرنے کے بعد سمندر کی طرف چلا گیا۔ اب وہ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑا تھا۔ اس کی لنگی اس کے گھٹنوں تک اٹھی ہوئی تھی۔ اس کی سوکھی ہوئی ٹانگیں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس نے پانی کو اپنی ہتھیلیوں کی اوک میں لے کر منہ پر چھپاکا مارا۔ کیا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اسے سمندر پر مکمل اختیار حاصل ہے؟ آدمی سے مقابلہ میں ناکام ہو کر کیا اب وہ فطرت کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے؟ یہ ہی ہے وہ رویہ جس سے جابدعلی کے باپ نے ابوالہاشم نے یہ کہتے ہوئے انگوٹھا اٹھایا۔ جابدعلی کا باپ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ اس نے کیا کیا کیونکہ وہ اس کی طرف پشت کئے ہوئے تھا۔

ابوالہاشم سمندر کے کنارے کھڑا رہا وہ سمندر میں اترا نہیں۔ اسے پانی کو چھونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ غضہ میں نہیں تھا۔ وہ غصہ سے کانپا نہیں تھا۔ جابدعلی کے باپ نے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑے رہ کر اپنے رومال سے کاندھے اور گردن کو پونچھا۔ اس کے بعد وہ سمندر سے نکل آیا۔ اس نے ابوالہاشم کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس وقت تک ابوالہاشم صورتحال کی مضحکہ خیزی کا اندازہ لگا کر اس سے لطف اندوز ہونے کا آغاز کر چکا تھا۔ یہی کہ یہ آدمی دولہا کا باپ ہے اور یہ بات اس کی حرکات وسکنات سے ظاہر ہے اور یہ کہ وہ تیزی سے مشرق کی سمت جا چکا ہے۔ ابوالہاشم نے اندازہ لگایا کہ اس آدمی کی برہمی وقتی ہے اور جلد ہی وہ پُرسکون ہو جائے گا۔ اسے پُرسکون ہونا ہوگا کیونکہ ابوالہاشم اس زمین کا مالک ہے۔ اس آدمی کو یہاں کچھ نہیں کرنا تھا۔ وہ صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اگر ممکن ہو تو وہ اس کی چاپلوسی کر کے کوئی قیمتی چیز حاصل کر سکے۔

MashalBooks.org

ابوالہاشم نے اس آدمی کی طرف دیکھا وہ اپنے رومال کولہراتا ہوا خاص دور جا چکا تھا۔ وہ خاص دبلا پتلا اور دراز قامت آدمی تھا۔ دور سے وہ بالکل جوٹ کے ڈنٹھل کی طرح نظر آتا تھا۔ اس نے مجھے مہاجن کہہ کر کیوں مخاطب کیا؟ کیا میں مہاجن ہوں؟......نہیں، یہ سچ نہیں ہے۔

اس سے قبل کے سمندر اپنے کناروں کو ہڑپ کرتا۔ اس وقت اس کے پاس تقریباً کوئی بھی جائیداد نہیں تھی سوائے ایک گھر اور چند ایک چاولوں کے کھیتوں کے......اپنی اس چھوٹی سی جائیداد سے وہ کوئی بڑی رقم حاصل نہیں کر پاتا تھا اس لئے آمدنی میں اضافے کی خاطر اسے سمندر پر مچھلی پکڑنے جانا پڑتا تھا۔ وہ ایک مچھیرا تھا اور ایک سرمایہ کار کے تحت کام کیا کرتا تھا۔ حقیقت تھی کہ جابدعلی کے باپ نے اسے مہاجن محض خوش کرنے کے لیے کہا تھا یقیناً وہ اتنا بدخو کبھی نہیں تھا۔ کیا وہ واقعی ایک معزز مہاجن کی حیثیت سے اس کا احترام کرتا ہے۔ ابوالہاشم نے ایک آہ بھری۔ جب آدمی کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں تو وہ مشتعل ہو جاتا ہے۔ اکثر وہ غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے اور پھر ذرا فاصلہ پر جا کر خود کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ابوالہاشم نے سبز بھنورے کو دلچسپی سے قدموں کے نیچے کچلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی چمک رہا تھا۔ اس کے باوجود کہ اس کے پر ٹوٹ چکے تھے پھر بھی اس نے اپنی چمک نہیں کھوئی تھی۔ اسے خواہش ہوئی کہ وہ کیڑے کو اٹھائے اور اپنی ہتھیلی پر رکھے لیکن اگلی ہی لمحے وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ابوالہاشم ایک ایسی چیز کو نہیں چھو سکتا جو جابدعلی کے باپ کے پیروں کے نیچے کچلی گئی ہو۔ اس نے سمندر کے کنارے چہل قدمی شروع کر دی۔

تھوڑی ہی دیر میں چھوٹی سی جھونپڑی تیار ہو گئی۔ اس کی تمام دیواریں بانس کی پھچیوں سے بنائی گئی تھیں جو ایک خاص نرمی سے ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ جابدعلی میں جوش و جذبہ بے پناہ تھا وہ ہمیشہ مصروف رہتا۔ کام کے دوران وہ ایک لمحے کو بھی آرام نہ کرتا۔ اسے سورج کی جھلسا دینے والی حدت کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جس کے باعث وہ بری طرح پسینہ میں شرابور تھا۔ اس کی مثال مکھی کی سی تھی جو ہمیشہ مصروف رہتی ہے تا کہ آنے والے دن کے لیے کچھ پس انداز کر لے۔ ابوالہاشم وقفہ وقفہ سے جابدعلی اور اس کے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ سورج کی تپش اسے بدحواس کئے دے رہی تھی۔ کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں کسی پیڑ یا سائے کے نیچے پناہ لی جا سکتی۔ ابوالہاشم کو پہلی بار یہ اندازہ ہوا تھا کہ بغیر سائے کے کوئی جگہ کس قدر ہولناک ہو سکتی ہے۔ اسے ایک عجیب سی

بے چینی کا احساس ہوا...... لیکن وہ سمجھ نہیں سکا کہ ایسا کیوں ہے۔ ایسے لمحات میں اس پر ایک گہری افسردگی طاری ہو جایا کرتی تھی۔

کچھ دیر بعد جابد علی کا باپ اس کے پاس آیا۔ اب وہ نہایت حلیم الطبع اور نرم مزاج لگ رہا تھا۔ اس سے قطعی مختلف جیسا کہ وہ چند لمحے قبل تک دکھائی دے رہا تھا۔ وہ انکساری سے بولا ''مہاجن چلئے گھر چلتے ہیں۔ سورج کی تپش سے آپ کا چہرا جل رہا ہے۔'' ابوالہاشم ہلکے سے مسکرایا۔ اس آدمی کا انکسار اس کی تمام خفگی بہالے گیا تھا۔ اس آدمی نے ایک بار پھر اسے نرمی سے یاد دلایا ''آپ کے لیے یہ گرمی نا قابل برداشت ہے' مہاجن' چلئے یہاں سے چلتے ہیں' اب یوں بھی دوپہر کے کھانے کا وقت ہو یا ہے۔''

ابوالہاشم خوش تھا بولا ''تم اتنے مودبانہ انداز میں مجھے مہاجن کیوں کہہ رہے ہو؟''

یہ مجھ پر واجب آتا ہے کہ آپ کو مہاجن کہہ کر مخاطب کروں۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ ایک مہاجن ہیں۔ میں اب کیا کر سکتا ہوں؟...... ہمارے پاس ایک انچ زمین نہیں ہے۔ آپ زمین جائیداد کے مالک ہیں۔ مزید یہ ہے کہ آپ کی زمین کا ایک اور ٹکڑا سمندر کی تہہ سے ابھر آیا ہے۔ آپ غیر معمولی طور پر خوش نصیب ہیں۔ اب آپ ایک بڑے آدمی ہیں۔ برائے کرم میرے ساتھ آیئے۔ چلیے کشتی پر چلتے ہیں' مہاجن۔''

''کشتی میں؟...... جب میں سمندر میں مچھلی پکڑنے جایا کرتا تھا تو سورج مجھ پر اثر انداز نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہ میری چہرے کو بھی نہیں جھلساتا تھا۔''

وہ آدمی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ''ان دنوں آپ مہاجن نہیں تھے تب آپ ایک دوسرے مہاجن کے تحت کام کیا کرتے تھے۔ اس وقت آپ کسی اور مہاجن کی کشتی میں اس کے لیے مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ اس صورت میں آپ کی حیثیت ایک مچھیرے سے بڑھ کر اور کچھ نہیں تھی۔ اس وقت آپ ایک ایسا ہاتھ تھے جسے مچھلیاں پکڑنے کے لیے کرائے پر حاصل کر لیا گیا تھا۔''

اس کی ہنسی جاری تھی۔ اک ذرا دیر قبل وہ غم وغصہ کے جنون میں مبتلا تھا اور اب وہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور ہنس رہا تھا۔ اس وقت اس کا بدن غصہ کی آگ سے تپ رہا تھا۔ جب ہی تو وہ سمندر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اب وہ کسی سمندر ہی کی طرح سرد تھا۔ ابوالہاشم نے بغیر کوئی

مداخلت کئے اسے ہنسنے دیا۔اس نے اسے کڑی نظر تک سے نہیں دیکھا۔اس کے بجائے وہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک باریک لکیر سجائے رکھی اور برابر اس کی طرف متوجہ رہا۔جب اس نے ابوالہاشم پر کوئی اثر ہوتے نہ دیکھا تو اس کے قہقہے دم توڑ گئے۔وہ جلدی سے بولا" آیئے مہاجن چلئے چلتے ہیں۔"

"مہاجن کون ہے میں یا تم؟"ابوالہاشم نے مسکراتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔اس آدمی نے ظاہر کیا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔وہ جست لگا کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ابوالہاشم کشتی کے درمیانی حصے میں بیٹھ گیا۔جابدعلی کا باپ کشتی کھینچنے والے کے عقب میں عرشے پر جا بیٹھا۔اس نے سر پر سفید ٹوپی اوڑھ رکھی تھی جو شاید اس کی بیوی یا بہن نے بنائی تھی۔اس کی نیلی لنگی کا نچلا حصہ تھوڑا سا پھٹا ہوا تھا۔بچپن سے کھیتوں میں کی جانے والی سخت مشقت نے اس کے پیروں کی ساخت کو برباد کر ڈالا تھا۔اس کی ایڑی میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں اوراس کے چہرے پر جھریوں کا ایک جال سا بچھا تھا وہ کشمش جیسا نظر آتا تھا۔اس کی آنکھیں بدرنگ تھیں۔یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس کی عمر کیا ہے۔وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اور خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ابوالہاشم زور سے ہنس پڑا۔اس غریب نے خجل سا ہو کر مسکنیت سے ابوالہاشم کو دیکھا اس نے بھنویں اچکائیں لیکن کوئی سوال قائم نہ کر سکا۔جب اس نے ہنسنا بند کر دیا تو ملاح نے پوچھا "مہاجن آپ کیوں ہنسے تھے؟"

"مجھے ایک خیال آ گیا تھا"

اس جواب سے جابدعلی کے باپ کی بھنویں اپنی جگہ پر نہیں آئیں جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ابوالہاشم نے دور ایک نقطہ پر نظریں جما رکھی تھیں۔فاطرہ چر کے درخت گھنے ہو گئے تھے۔جیسے ان درختوں نے مل کر آسمان کے نیچے سبز پتھر کی دیوا کھڑی کر لی ہو۔دائیں جانب خلیج بنگال دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔لامحدود، بے انت پانی...... پانی جس نے ابوالہاشم کو تباہ کر دیا تھا۔پانی جس سے اس کی دائمی دوستی تھی۔ابوالہاشم جب کبھی سمندر پر نظر ڈالتا اس کا سینہ پھول جاتا اس کے دل نفرت اور محبت جگہ بنا لیتے کیونکہ اس پانی کا رویہ اس سے دوستانہ ہوتا تھا اور کبھی وہ مخاصمت پر اتر آتا تھا۔

یہ مدوجزر کا وقت تھا کشتی بری طرح ڈول رہی تھی جیسے وہ دھارے کے مخالف رخ پر چل

رہی ہو ابوالہاشم نے اپنی نشست کو مضبوطی سے تھا رکھا تھا۔ اس کا جسم کسی فوری ردعمل کے لیے بالکل تیار تھا۔ اس کے عین سامنے پانی کے دو دھارے جن میں سے ایک میٹھا اور دوسرا ترش تھا ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے۔ سمندر میں ایک دوسرے سے قطعی متضاد دھاروں کا یہ سنگم واقعی حیران کن تھا۔ اس جگہ پر لہروں میں نہایت شدت تھی۔ ابوالہاشم جب کبھی یہاں آیا کرتا پانی کے طلاطم کے باوجود اس کے ذہن میں لاتعداد فلسفیانہ خیالات ابھرتے تھے وہ ایک ساتھ بہتے ہوئے ان متضاد داروں کا نظارہ پسند کرتا تھا۔ یہ اسے زندگی کی لاتعداد ایک دوسرے سے متضاد چیزوں کے اتصال کی علامت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ انسان اور فطرت کے درمیان مکمل ہم آہنگی کا بے مثال تصور ہے۔ ان خیالات میں ڈوبے ہوئے اس نے دور افق پر نظر ڈالی۔

جابد علی کے باپ کی نظریں بھی ایسی ہی خالی خالی سی تھیں۔ وہ کل ادھار لائے ہوئے پیسوں سے ہلسا مچھلی لایا تھا تاکہ ابوالہاشم کی تواضع کی جا سکے۔ اسی مچھلی کے کچھ ٹکڑے آج دوپہر کے کھانے کے لیے بچا لئے گئے تھے...... اس کی بیوی اسے جتا چکی تھی کہ رات کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے اسے بازار جانا ہوگا۔ اسے بازار جانا پسند نہ تھا کیونکہ اس کی جیب اکثر خالی ہوتی تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد ابوالہاشم کو الوداع کہنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اسے اب اور برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ اس سے نرم خوئی سے پیش آتا رہے۔ یہ خود اپنی ذات سے ایک قسم کی جنگ تھی۔ جابد علی کے باپ کے دل میں اپنے بیٹے کے لیے غم وغصہ بڑھ رہا تھا۔ یہ یقیناً اس کا دیوانہ پن ہے کہ اس نے ایک ایسی عورت سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر اس نے کسی اور سے شادی کر لی ہوتی تو انہیں بہت سی اشیاء مل جاتیں۔ اس شادی سے سوائے ایک دلہن کے انہیں اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ وہ اس بات پر اس قدر برہم اور غصہ میں تھے کہ اس کی بھنویں خود بخود تن کر ایک دوسرے سے جڑ گئیں۔ اس کی سفید ٹوپی اس کے ماتھے پر جھک آئی اس کی ٹوپی میں سے اس کے کھڑے ہوئے بال جھانک رہے تھے۔ خود کو مجتمع رکھنے کے لیے وہ بار بار اپنی ٹوپی اتار اور پہن رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کچھ کرنے کے لیے بے چین تھے لیکن یہاں سوائے پانی کیاس کی پہنچ میں کچھ بھی اور نہ تھا۔ اس لئے اس نے سمندر میں ہاتھ ڈبوئے اور پانی سے کھیلنے لگا۔ اسی کے ساتھ وہ گیلے ہاتھوں کو چہرے پر بھی پھیر رہا تھا۔ ابوالہاشم کو اس کی یہ تمام سرگرمیاں مضحکہ خیز لگ رہی تھیں۔ اچانک وہ زور سے ہنس پڑا۔ اس بار

جابد علی کے باپ نے اپنی بھنویں نہیں اچکائیں بلکہ اس کے بجائے اس نے براہ راست پوچھا ''مہاجن آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟''

''تمہارے ناراض ہونے پر مجھے ہنسی آتی ہے۔''

''میں غریب آدمی ہوں بھلا میں کیسے ناراض ہوسکتا ہوں؟''

''سنو! اگر ایک آدمی میں غصہ کرنے کی صلاحیت ہو تو اس سے وہ ذہنی قوت حاصل کرتا ہے۔''

''غریب لوگ کمزور ہوتے ہیں۔ ان کے پیروں میں جان ہوتی ہے اور نہ ہی پٹھوں میں...... کیا محض ذہنی قوت بھوک کا ازالہ کرسکتی ہے؟ جو خود اپنی کفالت نہ کر سکتے ہوں کیا وہ آدمیت کے دعویدار ہوسکتے ہیں؟ وہ سب کے سب زنخے ہوتے ہیں۔ نرے کمزور، میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں۔''

''تم نے کیا کہا؟''

''میں نے سچائی بیان کی ہے۔ میں ساڑھی نہیں پہنتا۔ مجھ میں اور عورتوں میں بس ایک یہ ہی فرق ہے۔ میں اور میری بیوی تقریباً برابر ہیں۔ وہ بھی فصلوں میں بٹائی کر کے معمولی سی رقم کما سکتی ہے۔ جب میں بازار جاتا ہوں تو وہ اپنی گلک توڑ کر مجھے پیسے دیتی ہے جن سے میں چیزیں خریدتا ہوں جب وہ چاول پکاتی ہے تو اسے کھا کر ہم اپنی بھوک مٹاتے ہیں۔'' ان الفاظ کے بعد جابد علی کا باپ مجنونانہ انداز میں مسکرایا۔ اب وہ ایک بزرگ اور ابوالہاشم اس کا مقلد دکھائی دے رہا تھا۔ جانے کب سے وہ اس مقدس جگہ پر بھیس بدل کر رہ رہا تھا۔ پھر بھی کسی نے پوری طرح اسے جاننے کی کوشش نہیں کی۔ ابوالہاشم کے لیے اس آدمی کی شخصیت کا یہ رخ حیران کن تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جابد علی کے باپ کی مسکراہٹ میں استہزا ہے یا اس میں دکھ گندھا ہوا ہے۔

ابھی کچھ دیر قبل ابوالہاشم اس آدمی پر دوبار ہنسا تھا۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر احمق ہے۔ اسے اپنے رویہ پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ جابد علی کے باپ نے مسکراتے ہوئے پوچھا ''مہاجن کیا تم میری بات پر کوئی تبصرہ نہیں کرو گے؟''

''خاموش رہو، بک بک بند کرو'' وہ اس پر گرجا۔ وہ خود کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر بھی وہ جابد علی کے باپ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم کرانے میں ناکام رہا۔ جابد علی کے باپ

نے ایک بار پھر خود کو اپنے اردگرد سے لاتعلق کر کے خالی خالی نظروں سے سمندر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تیزی سے گاؤں کے قریب آتے جا رہے تھے۔ اس وقت تک ان کی کشتی نہر میں داخل ہو چکی تھی۔ اب انہیں اپنے گھروں کے خدوخال بھی نظر آنے لگے تھے۔ وہ جوں جوں گھر کے قریب آتے جا رہے تھے۔ ابوالہاشم کی پراگندگی کے احساس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ سمندر سے کنارے کی طرف چھلانگ لگاتے ہوئے ابوالہاشم کا پیر کیچڑ میں جا دھنسا۔ اس کی اسپنج کی چپل جیسے کیچڑ میں جم سی گئی۔ جابدعلی کے باپ نے با آواز بلند احتجاج کیا اور ملاح کو سختی سے ڈانٹنے لگا

''تم کتے کے بچے' کیا تم کو نظر نہیں آتا۔ تم نے دلدلی جگہ پر کشتی کیوں لگائی؟''

''میں اسے کہاں لے جاتا؟ قریب میں کوئی اور جگہ بھی تو نہیں ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں سکتے کہ سمندر اتر رہا ہے۔'' ملاح کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

''کیا مہاجن کو نہیں چاہئے تھا کہ صاف جگہ دیکھ کر اترتے۔ انہیں احتیاط خود کرنی چاہئے تھی۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اب بک بک بند کرو۔''

ابوالہاشم غصے میں کانپ رہا تھا لیکن وہ بے اختیار تھا۔ جابدعلی نے کیچڑ میں سے اس کی چپل نکالی۔ نہر کے پانی میں پیر دھونے کے بعد جب ابوالہاشم جابدعلی کے باپ کے صحن میں کھڑا تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بھوک سے اس کا سر گھوم رہا تھا لیکن کھانا کھانے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کچھ دیر بعد کھانا لگ گیا۔ جابدعلی کی ماں اچھا کھانا پکاتی تھی لیکن ابولہاشم کو کھانے میں لطف نہیں آیا۔ ایسا لگتا تھا کہ کھانا جیسے اس کے حلق میں پھنس رہا ہو۔ اس نے کھانے کو اپنی انگلیوں سے چھوا اور پھر کھانے سے انکار کر دیا۔ جب جابدعلی کے باپ نے اچھی مہمان نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے ہلسا مچھلی کے دو ٹکڑے دینے کی کوشش کی تو اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے اسے روک دیا۔

''نہیں' نہیں کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔''

''کیا کھانا اچھا نہیں پکا؟''

''ارے نہیں بہت اچھا لیکن میری کچھ بھوک سی مر گئی۔''

''کیا آپ کو گھر یاد آ رہا ہے؟''

''تم نے یہ کیوں کہا؟ مجھے گھر کیوں یاد آنا چاہئے؟ کیا وہاں کوئی ہے جو میرا انتظار کر رہا ہوگا؟''

''کیوں، آپ کی بیٹی؟''

ابوالہاشم نے جواب نہیں دیا۔اس نے ابھی کچھ دیر قبل ''بیٹی'' کا لفظ سنا تھا۔جابدعلی کا باپ مختلف طریقوں سے ابوالہاشم کو اکسا رہا تھا کہ وہ رحانم کو اپنی بیٹی کے طور پر تسلیم کرلے۔یہ ہی اس کا مقصد تھا لیکن ابوالہاسم اس سے قطعی سرد مہری برت رہا تھا۔اسے پوری طرح نظرانداز کررہا تھا۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان رشتہ کسی پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔اس کے لیے ایک گہری بنیاد ضروری ہوتی ہے۔ابوالہاشم کا رحانم اور سکھ دیپ سے تعلق ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔اس نے چمچے سے دال کا گھونٹ بھرا لیکن اس نے براہ راست جابدعلی کے باپ کی طرف نہیں دیکھا۔وہ اب بھی سمندر کے ساحل پر ہونے والے واقعہ سے برگشتہ تھا۔

جابدعلی کے اہلخانہ کی پوری کوشش تھی کہ مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ابوالہاشم نے جیسے ہی ہاتھ دھوئے اسے پان پیش کئے گئے۔پان کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اس نے فوراً گھر جانے کی اجازت طلب کی۔اسے اب چل پڑنا چاہئے ورنہ وہ دن ڈھلے سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکے گا۔دکھ کے احساس نے اس میں گھر جانے کی شدید خواہش پیدا کردی تھی۔صرف ایک منٹ قبل ہی اس نے جابدعلی کے باپ سے انکار کیا تھا کہ اسے گھر کی یاد نہیں آتی۔

''مہاجن! بلاخر یہ مسئلہ طے ہوگیا۔کیا نہیں؟''

''ہاں یہ حتمی ہے، اگلے منگل کو آپ کی طرف سے بارات میں کتنے افراد ہوں گے؟''

''چار یا پانچ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔''

بہت اچھے ٹھیک ہے۔''

دروازے کی اوٹ میں سے جابدعلی کی ماں نے اسے دوبارہ آنے کی دعوت دی۔

''اچھا انشاءاللہ''

ابوالہاشم نے آگے قدم بڑھائے وہ مشرق کی طرف جارہا تھا اس کا منہ سورج کے سامنے تھا اسے بہت گرمی لگ رہی تھی۔وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔گھاٹ پر کشتی اس کی منتظر تھی۔

4

وہ شام ہونے سے قبل گھر پہنچ گیا۔ یہ علی پور بازار سے محض تین میل کا فاصلہ تھا۔ پیدل چلنے والے کی حیثیت سے اب وہ اتنا تیز رفتار نہیں رہا تھا جتنا کبھی وہ ماضی میں ہوا کرتا تھا۔ اب وہ کچھ دیر چلنے کے بعد سانس لینے کے لیے رک رہا تھا ورنہ وہ بہت کم مدت میں یہ فاصلہ طے کر لیتا لیکن ابھی پوری طرح اندھیرا نہیں ہوا تھا۔ ہر طرف ایک مدھم روشنی نظر آ رہی تھی۔ رحانم ایک درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ تھوڑی سی افسردہ اور بے حس۔ ابوالہاشم ذرا فاصلہ سے اسے پہچان نہ سکا۔ وہ اسے کوئی اور عورت سمجھا۔ جب وہ نزدیک آیا تو رحانم اسے دیکھ کر چیخی۔ ''او! بابا۔''

''کیا مسئلہ ہے؟'' ابوالہاشم پیڑ کے سائے میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا سانس ابھی تک معمول پر نہیں آیا تھا۔ وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ اسے بے حد گرمی لگ رہی تھی اور اس کا ذہن اب تک بے عزتی کے احساس میں الجھا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد آخر ابوالہاشم کی سمجھ میں آیا کہ ناگوار ذہنی کیفیت سے نکلنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔

''بابا۔ سکھ دیپ کو کتا سے بہت دور چلا گیا۔''

''وہ کہاں چلا گیا؟''

''ڈھاکا۔''

''وہ کیسے گیا؟''

''ایک آدمی اور عورت چھٹیوں پر یہاں آئے تھے۔ وہ اسے ملازم کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے۔ سکھ دیپ ان کی موجودگی میں بری طرح رو رو کر کہہ رہا تھا۔ میں ایک یتیم ہوں مجھے اپنے

ساتھ لے چلیں۔''

''کیا اس نے تم سے اجازت لی؟''

''منیر نے یہ خبر مجھے دی ہے۔''

''کیا اس نے میرے بارے میں کچھ نہیں کہا؟''

''نہیں، وہ ڈھاکا جانے پر خوش تھا۔اس نے کہا کہ اب وہ بھی واپس نہیں آئے گا۔''

''وہ خاصا چالاک ہے۔''

''وہ بہت افسردہ اور صدمہ میں تھا۔کیا نہیں بابا؟''

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔''

اچانک رحانم نے زور زور سے سسکنا شروع کر دیا۔''وہ مجھے کیسے بھلا سکتا ہے؟'' تب اچانک ہی دن میں تیسری بار ابوالہاشم ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ وہ زور زور سے تضحیک آمیز انداز میں ہنس رہا تھا۔ رحانم کی سسکیاں فوراً ہی رک گئیں۔ وہ پھیلی ہوئی آنکھوں سے ابوالہاشم کو گھور رہی تھی۔ وہ اس سے اس کے بعد بھی جب وہ ہنسنا بند کر چکا تھا یہ پوچھنا بھول گئی کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا اور یہ الفاظ اچھالے۔

''وہ ہم ہیں جو پہلے اسے بھولے اور اسے ایک یتیم بنایا تو پھر وہ ہمیں کیوں نہ بھول جائے؟''

''کیا یہ صرف میری غلطی ہے؟''

''اس نے ایسا کیا کیا ہے۔اس نے اپنے لیے کچھ اچھا ہی کیا ہے۔ہم اس پر شرمندہ کیوں ہوں کیا ہم اسے خود سے دور نہیں کر دینا چاہتے تھے؟ ماں! کیا میں درست نہیں کہہ رہا؟''

رحانم نے غیر متوقع طور پر اس سے سوال کیا۔''کیا آپ مجھے بھی خود سے دور کر دینا چاہتے ہیں؟''

''میں کیوں ایسا کرنا چاہوں گا؟ تم خود مجھے چھوڑ دینا چاہتی تھیں۔ ماں۔اب یہ ہر حال میں تمہاری شادی طے ہو گئی ہے۔''

ابوالہاشم جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ یہ الفاظ سنتے ہوئے رحانم کی توجہ ایک نکتہ پر مرتکز تھیں ابوالہاشم بالکل درست کہہ رہا تھا۔اس کی بات غلط نہ تھی۔اس کے باوجود وہ کیا بات تھی جو کانوں کو

نا گوار لگ رہی تھی۔ جب اسے کوئی دکھ پہنچتا تھا تو وہ بدحواس ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے بجائے اس نے اپنی تمام اخلاقی جرأت مجتمع کی اور دوسری ہر چیز کو ایک طرف رکھ دیا۔ اس نے اپنے اندرون میں جھانکا۔ وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی لیکن اس نے اعتراف کیا کہ وہ واقعی سکھ دیپ سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی آزادی کا راستہ خود تلاش کیا اور اسے چھوڑ گیا۔ اس کے لیے اس نے اس کی رسمی اجازت بھی ضروری نہیں سمجھی لیکن کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟ اسے دکھ کیوں ہوتا ہے جب وہ اس بارے میں سوچتی ہے؟ اسے یہ خیال بھی نہ ایا تھا کہ اگر یہ لڑکا کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو اس کا کیا بنے گا۔ تب تک شام ہو چکی تھی۔ اس کے سر پر پیڑ پہ بیٹھی چڑیاں چہچہا رہی تھیں گھر کا مطلب ہے پناہ گاہ، زندگی کو گھن کی طرح چاٹ جانے والے عذابوں سے تحفظ، تو پھر آخر یہ چڑیاں اتنا شور کیوں مچاتی ہیں؟ کیا وہ ایسا خوشی اور اطمینان کے طور پر کرتی ہیں؟ یقیناً یہ آوازیں گہرے اطمینان کی ہیں۔ ایک گھر کی شدید خواہش اس کے دل ہی دل میں مچل رہی تھی۔ وہ کچھ اور دیر درخت کے نیچے کھڑی رہی تاکہ چڑیوں کی چہچہاہٹ سن سکے۔ اس نے اپنا دل کھول دیا تھا تاکہ وہ ان آوازوں سے بھر جائے۔ بہتر ہے کہ اسے اب ایک طویل سفر کے لیے مجبور نہ کیا جائے، وہ اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔ رحانم نے قدم آگے بڑھائے لیکن پھر اسی جگہ لوٹ آئی۔

تاریکی گہری ہو رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں اور چاند کی آنکھ مچولی جاری تھی اس کے سامنے دھان کی فصلیں تھیں۔ گاؤں کو جانے والا راستہ اور دور سے نظر آنے والے گھر سب جابد علی کے سینے اور پشت سے ملتے جلتے لگ رہے تھے۔ اسے ایسا لگا جیسے کہ ایک آدمی اس راستے پر بڑھا چلا آ رہا ہو۔ اس کے تیل لگے بال جگمگا رہے ہوں جنہیں مانگ نکالے بغیر پیچھے کی طرف کاڑھا گیا ہو۔ اس نے نیلی قمیص اور سبز لنگی پہن رکھی ہو۔ اس کا سینہ چڑیوں کے نغموں سے گونج رہا ہو۔ رحانم کو ایسا محسوس ہوا جیسے چڑیوں کے گیت پھیل رہے ہوں۔ پہلے وہ دھان کی فصلوں تک محدود رہے، چڑیوں کی خوش گوار آوازوں نے دھان کے پودوں کو رقص پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنے اندر سے گزرتی ایک مدہوش کن لہر کے باعث جھوم رہے تھے۔ وہاں ان پودوں میں چھپا جابد علی لیٹا تھا۔ اس کا جسم اتنا ہی سیاہ تھا جتنی کہ سیاہ رات ہوتی ہے۔ جلی ہوئی لکڑی جیسی۔ پھر گاؤں کو جانے والا راستہ چڑیوں کی چہکار سے گونجنے لگا۔ زمین نغمگی کے اس شدید شور سے شق ہو گئی اور پھر راکھ میں بدل گئی۔ سارے راستے پر راکھ بچھی تھی۔ سڑک کے اطراف پر سرخ راکھ کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔

کہیں بھی کسی آدمی کا نشان نہ تھا۔ کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ جابدعلی اکیلا راکھ کے اس سمندر کے اوپر اڑتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پاس اس سے جنت میں ملاقات کا وعدہ تھا۔

دوئم: موسیقی درختوں کو حصار میں لے کر ان کے پتوں کی نسوں میں سرایت کر رہی تھی۔ اس پرشور آواز کی گونج ان کی چھال' شاخوں اور پتوں کے رنگوں سے چھلک رہی تھی۔ موسیقی ہر طرف نفوذ پذیر تھی۔ کہیں بھی خاموشی نہ تھی' تنہا جگہ۔ وہ ایک آدمی کی آواز تھی۔ وہ آدمی جابدعلی تھا۔ واحد آدمی جس کی آواز رحانم کے دل میں سرایت کر گئی تھی۔

آواز نے پھیلنا جاری رکھا وہ مکانوں کی خالی جگہوں کو بھر رہی تھی جہاں ان کے مکین اردگرد بیٹھے سخت کوشش کر رہے ہیں کہ اس پرشور موسیقی میں ان کی سانسیں ان کے سینوں میں سمائی رہیں۔ وہ سب ایک پکار کے منتظر ہیں۔ جابدعلی کی جانب سے ایک پکار' وہ ان سب کو جوڑے گا اور اعلان کرے گا۔ میں اپنی دلہن لایا ہوں اسے تمام روایات کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لو۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان کے دل آزاد ہو جائیں گے۔ وہ زور زور سے گانے لگیں گے۔ وہ نئے بانسوں سے بنی مسند پر رم ہری گھاس اور پاکے پتے بچھا کر تمام رسومات کے ساتھ اس کا خیر مقدم کریں گے۔ خوش نصیبی اس پر مسکرائے گی جب بزرگ اسے دعائیں دیں گے۔ رحانم اس میٹھی آواز کے سمندر میں اتری ہوئی تھی کیونکہ وہ اسے دونوں کانوں سے سن رہی تھی۔

وہ اپنے خوابوں کی دنیا میں اس قدر محو تھی کہ ابوالہاشم کی چیختی ہوئی آواز بھی اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکی۔ وہ ایک ہی آواز سننے میں مست تھی۔ وہ آواز سینکڑوں حصوں میں بٹ گئی' لیکن وہ تمام آوازیں ایک ہی دعائے خیر کر رہی تھیں۔ وہ اس کی بہبود کے لیے دعا گو تھیں۔ بالآخر رحانم اپنی ذات سے باہر آئی اور خود کو دوسرے بہت سوں میں سے الگ شناخت کرنے لگی۔ اس کا یہ نیا وسعت پذیر حصہ سمندر سے ملتا جلتا تھا۔

ابوالہاشم نے زیادہ اونچی آواز میں اسے دوبارہ پکارا لیکن وہ اسے نہیں سن سکتی تھی اس کے پاس اب کسی بھی اور پکار پر کان دھرنے کا وقت نہ تھا۔ اب وہ کس کو بھی جواب دینے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ وہ اب صرف اپنی ذات کے ساتھ مصروف تھی۔

تب ابوالہاشم تیر کی طرح اس کے پاس ایا اور غصے میں چیخا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اندھیرے میں رحانم کہاں ہو سکتی ہے۔ رحانم کے لیے اس کی چیخ و پکار روشنی کے دھارے کی شکل

اختیار کر گئی تھی جس میں وہ اسے دیکھ سکتی تھی۔ سفید براق بال، داڑھی، ننگی ٹانگیں۔ اس کے حوالے سے ہر چیز سفید تھی۔ یہاں تک کہ اس کے سینے کے بال بھی سفید تھے۔ اس نے سفید لنگی پہن رکھی تھی۔ یہ سب مل جل کر اس کی پیرانہ سالی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

''میں اتنی دیر سے تمہیں آوازیں دے رہا تھا۔ کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا؟''

''کیوں؟ آپ مجھے کیوں پکار رہے تھے؟'' رحانم لڑنے جھگڑنے کے موڈ میں تھی۔ اس کے لیے یہ اہم نہیں تھا کہ وہ اسے دیر سے بلا رہا تھا۔ کوئی آدمی کسی کو ہزار بار آواز دے سکتا ہے لیکن یہ آواز کیوں؟ ابوالہاشم نے اس کے وقت میں مداخلت کیوں کی؟ ممکنہ کہ اس کی کوئی اپنی ذاتی دنیا ہو جس میں وہ کسی دخل اندازی کی اجازت نہ دیتی ہے۔ پھر اسے خاص اپنی ذات کے لیے بھی تھوڑے سے وقت کی ضرورت ہے۔ وقت جو پورے طور پر اس کا اپنا ہو اور کسی دوسرے کا نہیں۔ وقت جس کی پرائیویسی میں کوئی بھی مداخلت نہ کرے۔ اس نے ایک مقصد کے تحت ابوالہاشم کو للکارنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ اپنی آزادی کو یقینی بنانا چاہتی تھی، اس کے اپنے حقوق کو۔

ابوالہاشم نے سخت آواز میں اسے حکم دیا ''اندر جاؤ۔ یہ ایک عورت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ تاریکی میں ایک درخت کے نیچے کھڑی رہے۔''

''میں درخت کے نیچے کھڑا ہونا پسند کرتی ہوں۔ مجھے چڑیوں کی چہکار پسند ہے۔''

''اندر جاؤ'' ابوالہاشم دھماکہ خیز واز میں رحانم پر چیخا۔ اس نے اپنے دانت پیسے۔ اس سے قبل کبھی بھی ابوالہاشم اس سے ایسا درشت نہیں ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحہ اسے یاد آیا کہ اس نے بھی کبھی اس سے قبل ایسا رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔ کتنی تیزی سے کتنے مختصر وقت میں ان کا مستحکم خاندانی تعلق درہم برہم ہو گیا۔ رویہ کا وہ انداز جس سے رحانم اتنے طویل عرصے تک نامانوس رہی تھی۔ آج سے استعمال میں آ گیا۔ یہاں تک کہ شدید ترین سرزنش بھی اب رحانم کو اپنی جگہ سے نہیں سرکا سکتی تھی۔

''کیا؟ تم اندر نہیں جاؤ گی؟''

''میں نہیں جاؤں گی۔ بہتر ہے آپ جائیں''

ابوالہاشم اب بالکل برہم نہیں تھا اس کے بجائے وہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا ایک بار پھر س وہ شرمناک احساس شکست سے گزر رہا تھا۔ آج، دوپہر کو جابد علی کے باپ نے اس کی تذلیل کی تھی اور اب رحانم نے اسے صدمہ پہنچایا ہے۔ وہ اس صورتحال پر کانپ اٹھا وہ خود کو بے

حد کمزور محسوس کر رہا تھا۔ وہ حرکت کرنے تک سے قاصر تھا۔ اس کے گھٹنے بج رہے تھے۔ اس کی آواز دھیمی ہوگئی تھی۔ وہ تقریباً منہ کے بل زمین پر آ رہا تھا اور ایک ایسے فرد کی آواز میں التجا کر رہا تھا جو شدید مشکل میں ہو۔ ''ماں! میں بے حد بھوکا ہوں۔''

رحانم بوڑھے کی پریشان حالی پر پگھل گئی۔ اس کی التجا کے بعد وہ اس سے سختی نہیں برت سکتی تھی۔ ''ٹھیک ہے چلیں اندر چلتے ہیں'' اس نے نرمی سے کہا۔ وہ ابوالہاشم کو اپنی راہنمائی میں لیے جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ وہ ایک پیرے گھر کا خواب درخت کے نیچے چھوڑ آئی تھی۔ اس خواب کے اردگرد لاتعداد چمک دار کیڑے دمک رہے تھے۔ جھینگروں کی آواز بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ روشنی اور آواز آدمی کی خاطر سمندر آفت کی گئی تھی۔ آدمی روشنی اور آواز کی شفقت میں نشوونما پاتا ہے۔ اس لیے رحانم جو ایک انسان تھی۔ آواز اور روشنی کے اثر سے آزاد نہیں رہ سکتی تھی۔ چمک دار کیڑوں اور جھینگروں نے اسے روشنی اور آواز کا تحفہ دیا تھا۔ جب سے اس کی زندگی ان عناصر سے معمور ہوئی تھی۔ وہ نہ صرف پورے چاند کی تابانی کے لیے تڑپتی تھی بلکہ وہ اماوس کی رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا بھی برداشت کر سکتی تھی۔ جو کہ تاریک پندرھواڑے کا آخری دن ہوتا ہے۔ وہ چاند سے محروم انتہائی تاریک راتوں میں بھی باہر جانے سے قطعی خوف نہ کھاتی تھی۔ اس کی شادی ان ہی تاریک راتوں میں ہونا طے پائی تھی۔ جابدعلی کا باپ چار یا پانچ افراد کے ساتھ اس میں شرکت کے لیے ایا۔ شادی کے انتظامات معمولی تھے۔ وہ دلہن کے لیے ایک نئی ساڑھی، بلاوز اور پیٹی کوٹ کے ساتھ کچھ پاؤڈر، شہرے کی کریم، ہیئر بینڈ وغیرہ لایا تھا۔ ابوالہاشم دولہا کے لیے ایک لنگی، ایک صدری اور قمیض لایا تھا۔ انہوں نے تالاب میں س ایک بڑی مچھلی پکڑ لی تھی اور کچھ مرغیاں حلال کر کے پلاؤ پکا لیا تھا۔ رحانم صبح سویرے جاگ اٹھی تھی اور اس نے کھانا پکانے کے انتظامات کئے تھے۔ یہ تمام انتظامات بارات آنے سے قبل ہی مکمل کر لیے تھے۔ ایک پڑوسی کرم علی کی بیوی نے اس کی مدد کی تھی۔ اتنے بہت سے کام کے باوجود بھی وہ قطعی تھکن محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کے بجائے اسے یہ اطمینان تھا کہ اس نے وقت سے پہلے تمام کام مکمل کر لیا ہے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وقت اڑا جا رہا ہو، وقت کے ہاتھوں میں یہ دن جیسے ایک بڑی سرخ پتنگ کی طرح تھا، اس کا چرخی سے نکلنے والا دھاگا کبھی ختم نہ ہونے والا تھا۔

تمام کام مکمل کر لینے کے بعد وہ تالاب میں نہائی اور خود کو نہایت ترو تازہ محسوس کرنے لگی۔

وہ پھر کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنے میں مگن ہوگئی۔اس نے خیال کیا کہ اگر آج کا دن ایک سرخ پتنگ ہے تو اس کی چرخی کا دھاگا اس کی گرفت میں ہے اور وہ اب اس صورتحال کی مالکہ ہے۔وہ جو چاہے کرسکتی ہے۔اس نے جابدعلی کی اپنے لیے لائی ہوئی ساڑھی کو کھولا اور اس کی خوشبو نے اسے خوش کر دیا۔ جب اس نے یہ ساڑھی باندھ لی تو اس میں وہ نہایت جاذب نظر اور دلکش نظر آ رہی تھی۔ایک گہری سرخ ساڑھی جس کا باڈر سنہرا تھا اور اس سے ملتا ہوا زرد بلاؤز۔اس نے نظریں چرا کر شیشے میں اپنے سراپے پر ڈالیں اور خود پر عاشق ہوگی۔فیس کریم نے اس کے چہرے کی چمک میں مزید اضافہ کر دیا اور سرمہ نے اس کی آنکھیں مزید حسین کر دیں۔وہ کسی موہ لینے والے حسن کی مالک نظر آ رہی ہے۔وہ اپنے سراپے کے ساتھ مسرت میں ڈوبی کھڑی تھی۔ بہت دنوں قبل اس نے اس انداز میں اپنے آپ کو سنوارا تھا۔وہ جتنا زیادہ اپنے آپ کو چھوٹے سے آئینے میں دیکھتی اتنا ہی زیادہ اس میں اپنا آپ دیکھنے کی اشتیاق پیدا ہوتا۔وہ ایک واہمہ کے زیر اثر تھی اور اس میں اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔''کیا وہ سرخ پتنگ ہے؟''

مولوی آ چکا تھا۔وہ شادی کی رسومات مکمل کرے گا۔رحانم لکڑی کے اک تخت پر سر پر ایک لمبا چوڑا دوپٹہ لیے بیٹھی تھی۔اس کا دل دھڑک رہ تھا اور وہ چنار کی پتی کی طرح کانپ رہی تھی۔اس کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔صرف یہ الفاظ اس کی ذات سے ادا ہوئے۔''میں قبول کرتی ہوں' میں یقیناً قبول کرتی ہوں۔سوائے ان الفاظ کے اسے کوء دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔اس لمحہ میں دوسرے تمام احساسات اس کے لیے اجنبی تھے۔وہ دوسری ہر چیز سے بے خبر تھی اپنے تمام اردگرد سے قطعی بے خبر' خاصی دوپہر کو کھانا کھلایا گیا۔جابدعلی کا باپ اور دیگر مہمان دوپہر کو رخصت ہو گئے۔دولہا' دلہن نے شب عروسی ابوالہاشم کے گھر میں منایا اور صبح سویرے وہ زمین کے نئے ٹکڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابوالہاشم رات گئے تک جاگتا رہا۔اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔انہوں نے اپنے دروازے خاصی دیر پہلے بند کر لیے تھے۔رات بے آواز تھی۔اسنے لیمپ بجھا دیا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیل گئی۔اس نے سینے میں بھاری پن محسوس کیا۔ان کی نہایت منضبط زندگی' جو کئی برس تک چلی بالآخر ایک بری تبدیلی کی نذر ہوگئی۔وہ ان تغیر پذیر لمحات میں نہایت افسردہ تھا۔کل سے وہ تنہا ہو گا۔اس کے ساتھ کوئی بھی نہ ہوگا۔تاریک بے چاند راتیں اس کے لیے نفرت انگیز ہوتی تھیں۔

MashalBooks.org

اس کے باوجود وہ باہر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔ اسے کہاں جانا چاہئے' وہ کہاں استحکام حاصل کر سکتا ہے؟

اس کے کان میں کبھی کبھی دور سے چڑیوں کی آواز پڑ جاتی جو رات کو جاگ رہی تھیں۔ بہر حال کوئی تھا جو اسے کہیں دور سے پکار رہ تھا۔ وہ کون ہے؟ یا یہ آواز اس کے اندر سے آ رہی ہے؟ وہ پوری خوش دلی سے ایسی کسی بھی آواز کو سننے پر آمادہ تھا جو اس کے وجود سے پیدا ہو رہی تھی۔ وہ آواز جس سے وہ کئی نسلوں سے خون کے رشتے میں بندھا تھا۔ رحانم اب محض اس کے نئے بٹائی کرنے والے کی بیوی تھی۔ وہ مشکل ہی سے اس سے زیادہ اس کے لیے کچھ ہو سکتی تھی۔ افسوس انسانی رشتوں کا جال کس قدر عجیب وغریب ہے۔ جابدعلی کے اس کے گھر آنے سے قبل انہیں اس کا ذرا سا بھی اندازہ نہ تھا کہ ایک نظر نہ آنے والی طوفانی لہر ان کی زندگی میں ایسی شدید تباہی لے آئے گی۔ص اس لمحہ کے بعد سے رحانم بتدریج اس کی لیے اجنبی ہوتی گئی۔ کیا رحانم بھی اپنے بٹائی کرنے والے شوہر کی طرح اسے مہاجن کہہ کر مخاطب کیا کرے گی؟

اس اندھیرے میں اچانک ہی ابوالہاشم پر قہقہوں کا دورہ پڑ گیا۔ اس تاریکی میں اس کے قہقہوں کی گونج بار بار پلٹ پلٹ کر آ رہی تھی۔ جب یہ گونج تھم گئی تو ابوالہاشم ے بیڑی سلگائی۔ اس کا شعلہ سمٹ کر ایک نکتہ بن گیا۔ اگر آپ اسے اپنے ناک کے سرے پر سے دیکھیں تو وہ آپ کو ایک سیدھی سی لکیر نظر آئے گی جو آپ کی آنکھوں اور روشنی کے اس نقطہ سے ملی ہو گی۔ ایک بار ابوالہاشم نے اس سیدھی لکیر کو درہم برہم کرنے کے لے منہ میں دھواں بھر کر اس پر چھوڑا۔ اس دھویں کے لچھے بنتے گئے لیکن وہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ روشنی کی سیدھی لکیر اور دھویں کے دائرے اس کے اعصاب کے لیے سکون بخش ثابت ہو رہی تھے۔ اس وجہ سے اسے غنودگی محسوس ہونے لگی۔

اگلی روز رحانم چلی گئی۔ جانے کی اجازت لیتے ہوئے وہ بری طرح رو پڑی۔ وہ یہ کہنا نہیں بھولی تھی کہ اس کی نئی زندگی ابوالہاشم کی مرہون منت ہے۔ جب وہ اس کے پیر چھونے کے لیے جھکی تو وہ ایسا نہ کر سکی بلکہ وہیں بیٹھ گئی۔ وہ سسکیوں کی شدت سے کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔ جب اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دی تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنی سگی بیٹی کو الوداع کہہ رہا ہو۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے جیسے مفلوج سا ہو گیا۔ کیا اس کا اس لمحہ کا احساس حقیقی نہ تھا؟ اس لمحہ سے ایک شک سا اس میں کلبلانے لگا۔ وہ اپنے بہت سے احساسات کو سمجھنے اور ان سے ہم

آہنگ ہونے سے قاصر تھا۔

اب' گھر خالی تھا ایک عورت جو دور کے رشتے سے اس کی خالہ تھی اس کے پاس وقتی طور پر رہنے کے لیے آ گئی۔ وہ بہرحال ابوالہاشم سے عمر میں چھوٹی تھی۔ ایک بے بچوں کی ماں۔ لیکن وہ اپنے بھائی کے گھر کے لیے ناگزیر تھی۔ وہ زیادہ عرصے اس کے پاس نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ ایک پرسکون اور خاموش عورت تھی۔ وہ خراب سے خراب حالات میں بھی اپنے آپ پر قابو رکھتی تھی۔ وہ اتنی خاموش طبع تھی کہ گھر میں اس کی موجودگی مشکل ہی سے محسوس کی جاتی تھی۔ ابولہاشم اکثر اس عورت پر ناراض ہو جایا کرتا تھا لیکن وہ یہ شکایت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ناشائستہ عورت ہے جیسے ہی ابوالہاشم شادی کرے گا وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ کچھ لوگوں کی باقی عمر یہیں کٹ جائے۔ اس عمر میں بھی وہ اپنے بھائی کے گھر انتھک محنت کیا کرتی تھی لیکن ابوالہاسم کو یہ خیال پسند نہیں آیا۔ وہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کو اپنے گھر میں رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس سے گھریلو سکون برباد ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی اور کا بوجھ لادے پھرے۔

اب وہ دوسروں کی دیکھ بھال سے آزاد زندگی کا آرزومند تھا۔ ایک خاموش پرسکون گھر جیسا کہ ایک نوجوان جوڑا عام طور پر قائم کیا کرتا ہے جس میں صرف وہ دونوں خواب دیکھتے اور اپنے مخصوص محبت کے کھیل کھیلتے وقت گزارتے ہیں۔ ابوالہاشم نے گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے ایک عورت کی خدمات حاصل کر لی تھیں اور بذات خود اس کے کام کی نگرانی یا کرتا تھا۔ وہ اپنے گھر کو نک سک سے درست دیکھنا پسند کرتا تھا۔ وہ اپنے گھر میں گندگی کا کوئی ذرہ دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک اس کے خیالات نے ایک نیا موڑ کاٹا جس میں رحانم اور سکھ دیپ اب اس کے لیے محض ایک کوڑا کرکٹ کی حیثیت اختیار رکھتے تھے؟ کوڑا کرکٹ جسے ہوا اپنے ساتھ اڑا لے گئی تھی۔ اب ساری جگہ بے داغ اور صاف نظر آ رہی تھی۔ کہیں بھی کسی گندگی کا کوئی نشان نہ تھا۔ آہ' نہیں' آدمی کا وجود اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بہت سخت' یہ رویہ انتہا درجہ ظالمانہ ہے۔ اس قسم کا رویہ' ایسے خیالات انسانی دل کے لیے اجنبی ہیں۔ وہ اندر سے زخم ہوا۔ حقیقتاً رحام اور سکھ دیپ سے جڑی ہوئی اس کے ذہن میں خوشگوار یادیں تھیں۔ بہرحال دوسری ہر چیز کے باوجود وہ ایک انسان تھا۔ آدمی کو انسانی بہبود کے خیالات سے خود کو بھرا رکھنا چاہئے۔ آخر وہ اس قدر خود غرض کیوں ہوتا جا رہا ہے؟ وہ اپنے کردار پر خود بے حد شرمندہ تھا۔ اس پر گناہ غالب آتا ہوا

احساس لگتا تھا کہ اسے مفلوج کر دے گا۔ جب اس نے معصومانہ شوخیوں سے محروم اپنے گھر پر نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ اسے اپنی کمزوری پر قابو پانے میں دو دن لگے۔ تیسرے دن وہ نور بانو کے بھائی کے گھر گیا اور اسے شادی کا پیغام دیا۔ شادی کا پیغام دینے سے قبل اس نے نور بانو کے بھائی کو یہ سمجھانے میں خاصا وقت صرف کیا کہ زندگی اور دنیا کے بارے میں اس کے تصورات کیا ہیں؟ اس کے خیالات سے اس کے فلسفیانہ ذہن کی عکاسی ہوتی تھی۔ نور بانو کے بھائی نے اس کی باتیں نہایت توجہ سے سنیں۔ اندر سے اس کا دل چاہا کہ وہ اس بوڑھے کا احترام کرے۔ وہ ابوالہاشم کو پسند کرنے لگا تھا۔ اگلے ہی لمحہ اس کا دل ابوالہاشم کے لیے ہمدرد کے جذبات سے بھر گیا۔ افسوس، مصیبت کا مارا غریب اپنے پورے خاندان کو کھو دینے کے بعد کیسا تنہا رہ گیا ہے۔ گاؤں میں ہر کوئی جانتا تھا کہ رحانم کی شادی ہو چکی ہے اور سکھ دیپ جا چکا ہے۔ اب ابوالہاشم کیسا تنہا ہوگا۔ اس خیال نے نور بانو کے بھائی کے دل میں ابوالہاشم کے لیے ہمدردی پیدا کر دی۔ اس کی تواضع کے لیے اندر سے پان بھیجے گئے۔ اس نے بڑے سکون سے پان لیا اور اپنی انگلی پر چونا لیتے ہوئے اس نے پان کے پتے کے ڈنٹھل سے اپنی ناک سہلائی۔ نور بانو کا بھائی مضطرب اور بے چین ہو رہا تھا۔ وہ پریشان تھا کہ کب تک وہ بوڑھے کی تعظیم میں بیٹھا رہے گا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ دونوں بازار کی طرف چل پڑیں؟ اس نے عام سے لہجہ میں یہ خیال پیش کیا جیسے کہ وہ ابوالہاشم کو یہ معاملہ یاد دلانا چاہتا ہے۔

''کیا آج خریداری کا دن نہیں ہے؟ چلئے بازار چلتے ہیں۔ مجھے بہت سی چیزیں خریدنی ہیں۔''

ابوالہاشم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''چیزیں خریدنے کے لیے، لیکن مجھے تو کچھ نہیں خریدنا۔''

''لیکن مجھے خریدنا ہے۔''

ابوالہاشم اشارہ سمجھ گیا اس نے جلدی سے کہا۔ ''گڈ و مطاہر مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ٹھیک ہے۔ کہئے۔''

ابوالہاشم کو سیدھے سبھاؤ بات کرنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ آخر کچھ دیر بعد کافی بے ڈھنگے

پن کے بعد اور گھما پھرا کر اس نے نور بانو سے شادی کا پیغام دیا۔ وہ اس پیغام پر حیران رہ گیا اور انتہائی سنجیدہ ہو گیا۔ اس کے کواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ ابوالہاشم یہ پیغام دے سکتا ہے۔

نور بانو اس کی اکلوتی بہن تھی۔ دس سال قبل اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا کوئی بچہ نہ تھا۔ حالاں کہ وہ اس کے ساتھ رہ رہی تھی لیکن اس نے کبھی بھی سے بوجھ خیال نہیں کیا تھا۔ اس کے بجائے جب نور بانو نے خاندان کے دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھال لی تو اس کی بیوی کو بے حد آرام ہو گیا۔ اس کے تمام بچے نور بانو کے دیوانے تھے اور فصل کاٹنے کے دنوں میں' اس کی بیوی چیزوں کو پورے طور پر سنبھال نہ پاتی تھی تو وہ اس پر انحصار کیا کرتی تھی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ نور بانو سے اسکا پورا خاندان بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ نور بانو قطعی جوان نہیں تھی۔ اس بڑی عمر میں شادی یقیناً بڑی خجل کرنے کا سبب بنتی۔

نور بانو کا بھائی گاؤں میں کسی نمایاں حیثیت کا مالک نہ تھا لیکن وہاں اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسے ذاتی عزت کا شدید احساس تھا۔ ابوالہاشم کے پیغام نے اسے حواس باختہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟ اپ ایسی غیر منطقی پیشکش کیسے کر سکتے ہیں؟''

''کیوں۔ اس میں کیا برائی ہے؟''

''کیا کوئی اتنی بڑی عمر میں شادی کرتا ہے؟''

''کیوں نہیں؟ اگر کوئی شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔''

ابوالہاشم ہلکے سے مسکرایا اور بولا ''اندر مانگ سمندر سے میری زمین نکل آئی ہے۔ اب مجھے ایک بیٹے کی ضرورت ہے۔ وہ میری جائیداد کا وارث ہوگا۔''

''کیا آپ اپنے حواسوں میں نہیں ہیں؟''

''تم کیوں سمجھتے ہو کہ میں پاگل ہو گیا ہوں؟ جو میں کہہ رہا ہوں وہ حقیقت ہے کیا کوئی آل اولاد کے بغیر رہ سکتا ہے؟ برائے کرم اپنی بہن سے پوچھو کہ کیا وہ میری پیشکش سے متفق ہیں۔ میں آج جاتا ہوں۔ میں کل پھر آؤں گا۔''

گڈ و مطاہر انتہائی حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ ابوالہاشم اس کی حیرانی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ گڈ و مطاہر کے کھلے ہوئے منہ پر ہلکا سا ہنسا۔

اس سے ظاہر ہوا تھا جیسے کہ اس کے پاس وہ پیغام ہے جس سے ملک فتح کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے اب بہتر یہ تھا کہ وہ وہاں سے ہیرو کی طرح چلا جائے۔ اس نے گڈو مطاہر کی آنکھوں میں دیکھا اور اس طرح بھنویں اچکائیں جیسے پوچھ رہا ہو تم یوں منہ پھاڑے مجھے کیوں دیکھ رہے ہو۔ لیکن اس نے منہ نہیں کھولا کیونکہ گڈو مطاہر نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ اس سے بات کر کے اس کی حیرت کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بجائے وہ اس سے دور ہوتا چلا گیا۔ اب اس موقع کی ضرورت یہ تھی کہ وہ اسی انداز میں وہاں سے چلا جائے۔ اسی طرح سے اس عمر میں وہ ایک مکمل انداز میں مقابلے میں آنے کا تاثر پیش کر سکتا تھا۔ کیونکہ اب وہ بڑی شدومد سے ایک نئے گھر کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اب وہ ایک جزیرے کے قریب لنگر ڈال چکا تھا۔ اس کے سامنے کرنے کے بہت سے کام تھے۔ اسے نئی زمین پر سے تمام جھاڑیاں وغیرہ کاٹنی تھیں۔ زمین کو کاشت کاری کے قابل بنانا تھا۔ اس میں حل چلا کر بیج بونے تھے۔ ل کھلے جزیرے پر سے پُرسکون ہوا گزرے گی۔ تازہ زندگی دینے والی ہوا میں وہ گہرے گہرے سانس لے گا۔ وہ اپنا اندرون صاف کر لے گا وہ اب دکھوں اور مصیبتوں سے آزاد تھا۔ اب یہ وقت تھا کہ وہ صرف خوشیوں کے خواب دیکھے۔

وہ نور بانو کے بھائی کو شادی کا پیغام دے کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اگر کوئی کسی ہیرو کی طرح تن کر چل رہا ہو تو بغیر کسی وجہ کے وہ اچانک ہی نہیں رک سکتا۔ آدمی کو اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے جب تک وہ اپنی مملکت میں نہ پہنچ جائے۔ مملکت جو اتنی وسیع ہے کہ اس کی کوئی حدود ہی نہیں ہے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ کیوں کہیں بھی رکے بغیر وہ سیکھا سمندر کے کنارے آ گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ اپنے سارے نقاب اتار سکتے ہیں اور اپنے آپ کو پوری طرح ظاہر کر سکتے ہیں۔ اس لمحہ اس کے لیے ضروری یہ تھا کہ وہ اکھڑ پن سے اپنا سامنا کرے۔ شادمانی ''لامحدود شادمانی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ ابوالہاشم بھی اسی سرشاری کی کیفیت میں تھا جیسے وہ آدمی' جو کس نئی چیز کے لیے کوشش کرتا ہے۔ ساحل پر کھڑے ہوئے اس نے ایک بار جنگل کو دیکھا اور پھر سمندر کی طرف' سمندر نے اس میں سنسنی پھیلا دی اور اس نے اپنے وجود میں سرخوشی کو شور مچاتے سنا۔ جب اس نے جنگلوں کی طرف دیکھا تو اس ن اسے تازہ دم کر دیا اور اس میں گھریلو زندگی کا سکون سرایت کر گیا۔ آج وہ مشرق یا مغرب کی طرف نہیں گیا۔ اس کے برخلاف اس نے جنگلوں کے کنارے کنارے چہل قدمی کی جو سمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے تھے۔ تمام اطراف سے آواز کا ایک شور

اسے سنائی دیا۔ جوابوالہاشم کو پکار رہی تھیں؟ کیا یہ مانی مالا ہے؟ نہیں۔ اب وہ مزید مانی مالا کی آواز پر کان نہیں دھرے گا۔ وہ اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے گا۔ اب وہ آگے نور بانو پر نظر رکھے گا۔ کتنے پہلے ایک بار اس نے نور بانو کو دیکھا تھا؟ وہ وقت بھی اب اسے یاد نہیں آتا۔ نور بانو کے خیال سے اس کے پورے بدن میں ایک میٹھی سی سنسنی دوڑ گئی جیسے کہ ریت اس کے تلووں سے اس کے بدن میں سرایت کر رہی ہو۔ جیسے کہ ریت کے ذرے اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہے ہوں آؤ چلو کہیں اور چلتے ہیں۔ ریت کا ہر ذرہ نور بانو کا چہرہ منعکس کر رہا تھا۔ وہی بھنوویں، ویسی ہی ناک، وہی دبلا پتلا جسم، اس کا پورا سراپا۔ جب ابوالہاشم نے نور بانو کے بارے میں سوچا۔ اس کی حرکت بند ہوگئی۔ وہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ بھینسوں کی قطار گھر واپس لوٹ رہی تھی وہ اس کی نظر میں آئی۔ ہر سیاہ بھینس قدرت کے پس منظر میں ایک بڑا سا ستارہ لگ رہی تھی۔

اگلے روز دوپہر میں گڈو مطاہر اس کے گھر آیا۔ ابوالہاشم اندر ہی اندر خوش ہوگیا۔ اس نے قیاس کیا کہ نور بانو کا بھائی اسے یہ بتانے آیا ہے کہ انہیں اس کا رشتہ قبول ہے۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ گھر بیٹھے اچھی خبریں سنے گا۔ آج دوپہر واس نے کچھ زیادہ ہی کھانا کھا لیا تھا۔ اس کی خالہ بہت اچھا کھانا پکاتی تھی۔ اس کے کھانے کا ذائقہ اس سے قطعی مختلف تھا جیسا کہ وہ اتنی مدت تک کھاتا رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سستی کے مارے بستر پر پڑا تھا اور اسے کچھ لمحوں کے لیے جھپکی بھی آ گئی تھی۔ اس نے ایک خوش گوار خواب بھی دیکھا تھا۔ وہ جب ایسے اچھے موڈ میں تھا تو اس کی خوش نصیبی کی شکل میں نور بانو کا بھائی وہاں آ گیا۔ اس نے جلد ہی اپنی حیرانی پر قابو پا لیا اور احمقانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ اس نے اس کو بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔ ''برائے مہربانی اس پر بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں میں یہاں بیٹھنے اور خوش گپیاں کرنے نہیں آیا ہوں۔''

نور بانو کا بھائی برگشتہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی ناراضگی اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھی اور اس کی بھوؤں کے درمیان میں ایک لکیر اس کی آنکھوں کو سکیڑ سا دیا تھا۔ کیونکہ ابوالہاشم پر سرخوشی غالب تھی۔ اس لیے اول تو وہ گڈو مطاہر کی برہمی سے آگاہ نہ ہو سکا تھا اس لیے اس درشت جواب پر وہ ششدر رہ گیا اور اسے صدمہ سا پہنچا۔

''سنو! ہاشم میاں۔ میری بہن نے مجھے یہاں بھیجا ہے اور کہلوایا ہے۔ اگر وہ تم سے منہ در منہ مل سکتی تو اپنے چھرے سے تمہارے ٹکڑے کر دیتی۔ اس نے مزید پوچھا ہے کہ تم میں اتنی

جرأت کہاں سے آئی کہ تم نے مجھ سے شادی کا پیغام دیا؟'' ابوالہاشم نے نہایت حیرت سے اسے دیکھا۔لگتا تھا کہ جیسے وہ بولنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا ہو اور اس کی سانسوں کی آمد و رفت رک گئی ہو۔کل یہی آدمی نہایت ہمدرد، نرم مزاج اور شائستہ نظر آ رہا تھا۔اس کے چہرے سے لگتا تھا جیسے وہ اس کا حقیقی خیر خواہ ہو اور اب کتنا فرق ہے۔زمین پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے گڈو مطاہر نے اپنی بات جاری رکھی۔'' گاؤں میں کسی کو خبر نہ دینا خیال رہ کہ میری بہن کسی اسکینڈل میں ملوث نہ ہو۔ان الفاظ کو نگل جاؤ جو تم نے ادا کئے تھے۔خاموش رہنا۔اپنے منہ کو بند رکھنا۔'' یہ ابوالہاشم کو اسے جھڑکنا غیر دانشمندانہ معلوم ہوا کیونکہ گڈو مطاہر اس سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا۔اس کے علاوہ اسنی اپنی بہن نور بانو کے تند ردعمل سے تازہ قوت حاصل کی تھی۔یہ ابوالہاشم کے خلاف اس کا سب سے زوردار ہتھیار تھا۔اس نے گڈو مطاہر کے چہرے پر نظریں گاڑے رکھیں جو غصے سے بگڑا ہوا تھا۔اس نے سوچا کہ اس آدمی کا چہرا اب محض چہرا نہیں رہا۔وہ کیکڑے میں بدل گا ہے جو ابوالہاشم کو اپنی آٹھ ٹانگوں سے لہولہان کر رہا ہے۔

''میں نے جو کچھ کہا ہے اسے بھول مت جانا ورنہ ایک خونخوار لڑائی کا سامنا کرنے کے لے تیار رہان۔میری بہن نے خاص طور سے تنبیہ کی ہے کہ اس معاملے کے بارے میں تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو۔''

''ٹھہرو''

ابوالہاشم زور سے چیخا۔اس وقت تک وہ اپنے آپ کو مجتمع کر چکا تھا۔اس نے اپنی انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے سخت آواز میں کہا۔'' کیا گاؤں میں تمہاری بہن کے علاوہ کوئی اور عورت نہیں ہے؟ میں شادی کروں گا۔اس کے علاوہ یہ کہ میں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ میں کسی کنواری لڑکی سے شادی کروں گا۔مجھے اپنی تمام جائیداد کے عوض ایک لڑکی مل جائے گی۔تم دیکھنا کہ میرا ایک بیٹا بھی ہوگا۔

''لعنت ہے تم پر، تم بوڑھے گدھ۔کیا تم بھول گئے ہو کہ تم کتنے بوڑھے ہو؟''

ابوالہاشم سخت طیش میں تھا۔وہ چنگھاڑا۔'' تمہارا اس بکواس سے مطلب کیا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے کیا کہا ہے؟ کیا کسی کا بڑھاپا اس آدمی کو جنسی لحاظ سے متاثر کر دیتا ہے؟ ایک آدمی کی طاقت کبھی کم نہیں ہوتی۔میں تمہیں یہ دکھا دوں گا۔''

’’بکواس۔احمقانہ بات ہے۔‘‘

گڈ ومطاہر اسے انگوٹھا دکھاتا ہوا چلا گیا۔عقب سے ابوالہاشم بکتا جھکتا رہا۔

گڈ ومطاہر نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔

ابوالہاشم ایک بار پھر گہری خاموشی میں ڈوب گیا لکن جیسے ہی گڈ ومطاہر منشی کے مکان کے پیچھے اوجھل ہوا۔اس پر مجنونانہ قہقہوں کا دورہ پڑ گیا۔اس نے ان تمام مکالمات کی اساس کو نہایت حقارت سے رد کر دیا جن میں وہ ابھی کچھ دیر قبل مصروف رہا تھا۔وہ اپنے فیصلے پر جما ہوا تھا۔اس کے اپنے قہقہوں کی گونج میں سمندر کے چنگھاڑنے کی بازگشت تھی اور اس نی اسی وقت اور وہیں پر فیصلہ کیا کہ کل علی الصبح وہ مچھلی پکڑنے جائے گا۔وہ سات دن تک مچھلی کا شکار کرے گا اور پھر سمندر سے لوٹ کر اپنے لیے دلہن تلاش کرے گا۔وہ اپنی تمام جائیداد ایک کنواری دلہن اور بچے کے لے داؤ پر لگا دے گا۔ابوالہاشم کنارے کی طرف گیا' ٹرالر کے بارے میں فیصلہ کرنے کے بعد وہ جال وغیرہ اکٹھا کرنے کے لیے مہاجن کے پاس جائے گا اور پھر اپنے ساتھیوں کو مطلع کرے گا۔لہریں بہتی ہوئی ٹرالر سے ٹکرائیں۔وہ جست لگا کر ٹرالر پر گیا اور اس پر بیٹھ کر جھولنے لگا۔اس کے جسم میں ایسی ہی سنسنی دوڑ رہی تھی جیسی کہ بچپن میں درکت سے بندھے جھولے میں جھول کر ہوا کرتی تھی۔کبھی کبھار وہ آنکھیں بند کر کے گیت گنگنایا کرتا لیکن اکثر وہ آنکھیں کھلی رکھتا۔اس نے اپنے پیر پانی میں ڈبوئے اور پھر باہر نکال لیے۔اس وقت جب وہ گیت کے بول یاد بھی نہیں کر سکتا تھا۔وہ انہیں گنگنانا جاری رکھتا جیسے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف چھلانگیں لگایا کرتا تھا۔ایک موقع پر وہ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلتا رہا جیسے کہ وہ اپنے بچپن میں کیا کرتا تھا۔سورج ڈوب گیا تھا۔زمین جلد ہی تاریک ہونے والی تھی۔

ٹھیک اسی لمحے اس نے ایک آدمی کو بھاگ کر اپنی طرف آتے دیکھا وہ مشرق سے اس طرف آرہا تھا۔وہ اتنے فاصلہ سے یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس آدمی کو جانتا ہے لیکن اس کی حرکات جانی پہچانی لگ رہی تھیں اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ ایک شناسا ہو۔وہ آدمی کون ہوسکتا ہے؟ وہ دوڑ کیوں رہا ہے؟ شاید وہ کسی دوسرے گاؤں کا ہو۔شاید اس کے پاس کسی کے لیے کوئی اچھی خبر ہو اور وہ بری خبر بھی ہوسکتی ہے؟ ابوالہاشم ٹرالر میں چلا گیا۔ایسا لگتا تھا کہ اسے کوئی طاقت ور سہارا درکار ہے۔اگر وہ وہاں کسی سہارے کے بغیر کھڑا رہا تو بڑی طوفانی لہریں اسے بہا

MashalBooks.org

لے جائیں گی اور ڈبو دیں گی۔ وہ آدمی قریب آ گیا تھا۔ اب وہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے نقوش نامانوس نہیں تھے۔ وہ ایک جوان اور مضبوط آدمی تھا۔ اس کی لنگی اس کی رانوں سے چپکی ہوئی تھی۔ شاید اس لیے کہ اسے دوڑنے میں آسانی رہی۔ اس نے صدری پہن رکھی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ ابوالہاشم نے اس آدمی کی یقینی شناخت کے لیے کچھ وقت اور لیا۔ جب وہ اس کے بہت قریب آ گیا تو اس نے اسے پہچانا وہ غفور تھا جابد علی کا رشتہ کا بھائی۔ غفور کو اس کے وہاں ملنے کی امید نہ تھی اس لے وہ زور سے چیخا۔ ''مہاجن؟''

پھر طوفانی لہروں کی پرواہ کئے بغیر وہ ٹرالر کی طرف دوڑا۔

''مہاجن۔ سبکا سب تباہ ہو گیا۔''

''تباہ ہو گیا؟''

غفور ہانپ رہا تھا اور وہ بولنے کے قابل نہ تھا۔ اسے کچھ وقفہ چاہئے تھا۔ اس کا پیٹ سکڑ کر اس کی پشت سے آ لگا تھا۔ جلد جھلسی ہوئی تھی اس کی گردن کے گرد پسینہ خشک ہو گیا تھا اور سفید نظر آ رہا تھا۔ وہ ٹرالر کے اگلے حصہ کو تھام کر نیچے جھک گیا تا کہ خود کو پُرسکون کر سکے۔ ابوالہاشم نے بغیر کوئی سوال پوچھے اسے سنبھلنے کا موقع دیا۔ اس نے بتدریج معمول کے مطابق سانس لینا شروع کر دیا۔ ابوالہاشم خود اپنے رویہ پر از حد حیران تھا۔ وہ اتنا صابر کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا دوپہر کو ہونے والے واقعہ نے اسے سکھا دیا ہے کہ پرسکون کیسے رہا جا سکتا ہے؟ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی قوت اکثر فوری طور پر ضروری ہو جایا کرتی ہے۔ خاص طور سے جب آدمی چاروں طرف سے مصیبتوں میں گھرا ہو۔ اسی لیے جب لفظ ''تباہی'' اس کے کانوں میں پہنچا اس میں صبر کی قوت بڑھ گئی۔ اس نے غفور میاں کے پھولتے پچکتے سینے کا بغور مشاہدہ کیا۔ اسے سانس لینے کے لیے جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔

جب غفور میاں کا ذہنی توازن قدرے بحال ہوا تو ابوالہاشم نے اس سے پوچھا: ''اب مجھے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟''

''کل نورو ملا نے نئی زمین کا قبضہ لے لیا۔ اس نے جابد بھائی کی جھونپڑی کو آگ لگا دی۔ دونوں میرا بھائی اور بھاوج جل کر ہلاک ہو گئے۔ وہ جل کر راکھ ہو گئے۔ مہاجن۔'' وہ شکستہ دلی سے سسکیاں لے رہا تھا۔

ابوالہاشم نے ثابت قدمی سے اسے دیکھا۔ ''راکھ؟'' راکھ کیا ہوتی ہے؟ آدمی راکھ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ کیسا لگتا ہوگا جب وہ کچھ بھی نہیں لیکن راکھ ہوجاتا ہوگا؟

غفور خود پر قابو نہیں کر پارہا تھا اس کی سسکیاں جاری تھیں۔ ابوالہاشم کو ایسا لگا جیسے کہ وہ اپنی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ اسے غفور بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف اس کی آہ و بکا کی آواز اپنی زندگی کا پتہ دے رہی تھی۔ جیسے کہ دنیا میں کچھ اور نہیں صرف آواز باقی رہ گئی ہو۔ صرف آواز پھیلائی اور مختصر کی جاسکتی ہے۔ کچھ ہی دیر میں وہ آواز ابوالہاشم کی کھوپڑی پر چھا گئی اور اس کا ذہن مکمل طور پر تاریک ہوگیا۔ وہ نہ ہی چل سکتا تھا نہ کسی اور جگہ جاسکتا تھا۔ جیسے کہ اس کا پورا جسم ٹرالر میں ضم ہوگیا ہو۔ اس نے خود کو ٹرالر کے عرشے پر گرالیا۔

اس کے تصور میں یہ منظر گھوم رہا تھا کہ دو افراد جو جل کر راکھ ہوگئے ہیں اس نقطہ پر ڈول رہے ہیں جہاں آسمان افق سے ملتا ہے۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ راکھ ہوجانے والے کیسے ہوتے ہیں۔ وہ کیسے نظر آتے ہیں۔ اس کی آنکھیں رحانم کے لیے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ جب اس کے آنسو اس کے گالوں پر بہے تو وہ سمجھ سکتا تھا کہ نئی زمین اب دوسروں کی تحویل میں جاچکی ہے۔ وہ کبھی بھی دوبارہ اسے حاصل نہ کرسکے گا کیونکہ اس کے پاس نہ تو رقم ہے اور نہ ہی آدمی ہیں۔

بعد میں اس نے غفور پر نظر ڈالی اب وہ اپنی سسکیوں پر قابو پاچکا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں نہیں پونچھی تھیں۔ اب وہ پُرسکون ہوچکا تھا اور سر ٹرالر سے لگائے کھڑا تھا۔ ممکن ہے وہ کسی بارے میں سوچ رہا ہو اس مسئلہ کا کوئی حل یا یہ نئے سرے سے کیسے آغاز کیا جائے یا وہ اس بات کا انتظار کر رہا ہو کہ ابوالہاشم کیا کہتا ہے؟

آخر کار ابوالہاشم پریشان حال غفور سے مخاطب ہوا۔ ''غفور گھر جاؤ غفور میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔''

غفور پانی کو کاٹتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا۔

جب شام ہوئی۔ گول چاند چڑھا' بڑا سا چاند سمندر کی لہروں پر رقص کر رہا تھا۔ پورے چاند کی جھلملاتی روشنی نے ساحل کو منور کر رکھا تھا۔ غفور نے رونا بند کردیا تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ کوئی آواز نہیں نکال رہا تھا لیکن ابوالہاشم کی کھوپڑی میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ اس نے لنگی میں سے کمر کے پاس اڑسی ہوئی بیڑی نکالی اور پوری طرح پھیل کر لیٹ گیا اور آسمان کی

طرف دیکھنے لگا۔ اس نے بڑی کے کش لینے شروع کر دیئے۔ بیڑی کا جلتا ہوا سرا اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ اگر وہ اپنی ناک کے ساتھ روشنی کو دیکھنے کی کوشش کرتا تو روشنی کی ایک سیدھی لکیر شاید وجود پا جاتی۔ وہ جانتا تھا کہ روشنی کے اس چھوٹے سے نقطہ کے قلب میں اس کا خواب ہے کہ کوئی آدمی کسی خواب کا خواب دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر ایک رنگین مچھلی بہتی ہوئی آئی اور اس سیدھی لکیر کے اوپر تیرنے لگی۔

☆☆☆

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org